جلد ۹۱ جون ۱۹۷۹ء عدد ۴

ماہنامہ

ترجمان القرآن

سید ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے علمی اور عملی کمالات و افادات پر مشتمل

البلاغ کا

مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نمبر

انشاء اللہ ماہ رجب میں منظر عام پر آرہا ہے

یہ نمبر اس صدی کے اُس عظیم دینی مذاق کی دلکش تصویر ہوگا جسے اکابر علماء دیوبند نے اپنے خون اور پسینے سے پروان چڑھایا ہے

چند لکھنے والے

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہم۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیّ صاحب عارفی مدظلہم۔
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم۔ حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہم۔
حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب (پشاور یونیورسٹی) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب (دہلی)۔
حضرت مولانا عبدالقدوس قاسمی (پشاور یونیورسٹی)۔ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب۔
حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر۔ جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس)۔
جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی۔ حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب
جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب۔ حضرت مولانا سُبحان محمود صاحب حضرت مولانا شمس الحق صاحب
حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری (مدینہ منورہ)
حضرت مولانا عبدالشکور صاحب ترمذی۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی
حضرت مولانا محمد ہارون صاحب پٹیہ (بنگلہ دیش)۔ جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب
مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب ایم اے اور دیگر بہت سے اہلِ علم و قلم

اِس کے علاوہ

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مہتمم دار العلوم کراچی اور مدیر البلاغ کے متعدد تازہ مبسوط مقالے جو تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں۔

قیمت مجلد: ۵۰ روپے — خریداروں سے: نصف قیمت — بکس بورڈ کے ساتھ: ۴۰ روپے

ایجنٹ حضرات کو: ۲۰ فی صد کمیشن اور ۲۵ نسخوں پر ۲۵ فی صد کمیشن

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۹۱ | جون ۱۹۷۹ء مطابق رجب ۱۳۹۹ھ | عدد ۴

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

فون نمبر ——— ۴۱۱۰۱۶ ——— ۴۱۱۰۱۷

زر سالانہ بیس روپے - فی پرچہ -/۲ روپے

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

غلبۂ اسلام اور تحفظِ پاکستان کے لیے کام کرتے ہوئے گرد و پیش کے حالات کا مد و جزر دیکھ کر ہم آپ سب کو بڑا اضطراب سا ہوتا ہے، اور یہ اضطراب عین محبتِ دین اور خیر خواہیٔ ملک و وطن کا تقاضا ہے۔ مگر اضطراب ہونے کے معنی لازماً مایوسی ہی نہیں ہوا کرتے، یہی کیفیت کسی جماعت یا تحریک کی گاڑی کو آگے بڑھانے کے لیے زوردار اسٹیم بھی ثابت ہوتی ہے۔ اگر دلوں میں اضطراب کی کوئی لہر نہ اٹھے تو پھر جمود و قنوط کی برف گرنے لگتی ہے۔

ایسے ہی لمحہائے اضطراب میں قرآن کی یہ پکار کسی بھی نہ ملنے کے داعیانِ حق کو سنائی دیتی ہے،

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ — اور نہ ڈھیلے پڑو، نہ دلگیر ہو جاؤ،

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ — اور (تم ہی (آخرکار) غالب آؤ گے —

مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران - ۱۳۹) — بشرطیکہ تم ایمان والے ہوا

اور پھر یوں محسوس ہوتا ہے کہ خدا کے فرشتے ہر طرف سے آ آ کر کان میں کہہ رہے ہیں کہ نہ خوف رکھو، نہ ملال - (اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا — حٰمٓ السجدہ - ۳۰)

بات نہ من گھڑت نفسیاتِ تسکین کی ہے، نہ قصّہ کسی کشف کا — معاملہ تجربے کا ہے۔ پچھلی تہائی صدی میں اقامتِ دین کے لیے جو تھوڑا بہت کام تحریکِ اسلامی کے کارکنوں نے کیا، ہمیشہ سنگین حالات کے ہوتے ہوئے کیا ہے۔ اور جو کچھ کیا ہے وہ بے نتیجہ نہیں رہا، بلکہ نتیجہ خدا نے ہمیشہ مساعی سے بڑھ کر دیا۔ اگر ہم حالات کے تھپیڑوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے خوف و حزن کا شکار رہ کر ساحلوں پہ بیٹھے اونگھتے رہتے، یا اپنے آپ کو ہر چڑھتی موج کے حوالے کر کے بہنے لگتے، یا اضطرابات کے گرد ابوں میں

ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو ڈبو دیتے تو شاید آج یہاں خدا کا نام لینا اور اقامتِ دین کا پرچم اٹھانا ممکن نہ رہتا۔

آج کا مخلص وقائع نگار، یا کل کا دیانت دار مؤرخ پاکستان کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس سرزمین پر پونے بتیس برس کے لمبے دور میں، طرح طرح ایمان کش اور اخلاق سوز احوال سے گزرتے ہوئے اور محلاتی سازشوں اور آمرانہ دور کی فتنہ سامانیوں کے باوجود اگر کسی قوت نے اسلامی نظریہ و نصب العین کو تسلسل سے زندہ اور توانا رکھا تو بلاشبہ یہ سعادت تحریک اسلامی کے حصے میں ہے۔

پس ہزار ہدیۂ تبریک، (طوبیٰ للغرباء) خدا کے دین کے ہر اس سپاہی کے لیے جس نے مخالفتوں کے ماحول میں بار بار اجنبی بن کر قوموا شهداء لله (خدا کے لیے گواہی دینے والے نقیب بن کر اٹھو) کا تقاضا پورا کیا، جس نے گالیاں کھا کر، جھوٹے الزام سن کر، تضحیک کا نشانہ بن کر، کفر کے فتووں کے وار سہہ کر، تفرقہ باز مولویوں کے فتنوں کا مقابلہ کر کے اور سرکاری عتاب کے تازیانے کھا کر اپنا وہ بڑا اجتماعی فرض ادا کیا، جس کا عہد کلمۂ اسلام پڑھنے والا ہر شخص خدا سے استوار کرتا ہے۔ ایسے لوگ شہر شہر گاؤں گاؤں سے ایک ایک دو دو کر کے (مثنیٰ و فرادیٰ۔ سبا ۴۶) اُٹھنے والے بے مزد سپاہی، جب وسائل کے سامنے بھی، اور بے سروسامانی کے عالم میں بھی (خفافاً و ثقالاً۔ توبہ۔ ۴۱) مکمل کھڑے ہوئے تو اس چھوٹی سی قوت کے ہاتھوں تاریخ کے دھارے کا رُخ بدل گیا۔ ان کی منظم کوششوں سے کلمۃ اللہ کی گونج بڑھتی ہی گئی۔

اگر دعوتِ حق کے علمبردار اپنے آپ کو اس کیفیت میں پاتے ہیں تو آج کے حالات کی پیچیدگی کوئی ایسی مردافگن نہیں ہے کہ سپاہیانِ حق جی چھوڑ کے، کمریں کھول دیں، اور قلزم تاریخ کے ساحل پر اُدھڑتے ہوئے موجوں اور مختلف پیراکوں کی کشمکش کا تماشا کرتے رہیں۔ اگر ہمیں خدا نے پہلے بارہا خوفناک طوفانوں کا منہ پھیر دینے کی توفیق دی ہے تو آج بھی یہی ہوگا۔ لیکن اگر اندر کی ایمانی کیفیت کمزور پڑ گئی ہو تو پھر باہر کے سارے مسائل کو لپیٹ کر رکھ دیجیے، اور گھر کے اندر کی خبر لیجیے۔

حالات کی ساری پیچیدگیاں ــــ بین الاقوامی بھی، اور ملکی بھی، نیز حکومتی دائرے کی بھی، اور سیاسی و مذہبی گروہوں کی پیدا کردہ بھی ــــ ہمارے سامنے ہیں۔

ہمیں خوب معلوم ہے کہ چاروں طرف سے جماعتِ اسلامی کے خلاف الزام و دشنام کی بوچھاڑ ہے۔ اس حملے میں اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ ساتھ محاذ کے ایک سرے پر اگر طارق علی اور منہاج برنا جیسے لوگ کمر بستہ ہیں تو دوسرے پر نورانی میاں اور پیر پگارا جلوہ گر ہیں۔ ایک مقام اگر بھٹائیوں کا ہے تو دوسرا زبیریوں کا۔

اور یہ پورا محاذ زبانوں اور قلموں سے طرح طرح کی فضول باتیں سامنے لا رہا ہے اور غیظ و حسد میں پھنکتے ہوئے عناصر موجودہ حکومت اور اسلامی قوانین اور جماعت اسلامی کے خلاف اپنا اپنا بخار نکال رہے ہیں۔

ایک دلچسپ صورتِ عتاب یہ ہے کہ موجودہ حکومت اور سابقہ کابینہ کے دور سے متعلق جس بھی چیز پر اعتراض ہوا، اس کی ذمہ داری جماعت اسلامی پر ڈالی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے تو یہ نکتہ بھی اچھالا کہ صاحب "کو پھانسی جماعت اسلامی ہی نے دلائی، جرم، گواہ، عدالت، وکالت کا سارا کھیل تو گویا بس یونہی تماشا تھا اور صدر مملکت کی صدارت بھی محض دکھانے کی چیز تھی، ورنہ ججوں اور صدر کے قلم ہاتھ میں لے کر ہر نوٹ اور فیصلہ تو جماعت اسلامی کے اصحاب ہی لکھتے تھے۔ کوتاہی صرف یہ رہ گئی ہے کہ بارود کے دو حادثوں اور ریلوے اور ٹریفک کے متعدد حادثوں کی ذمہ داری جماعت پر ڈالنے میں الزام تراش حضرات کے دروغ باف دماغوں نے ساتھ نہیں دیا۔

اس بدخبری کا اچھا پہلو یہ ہے کہ ہمہ طرفہ حملہ آوروں کی مبارک توجہات کا ارتکاز یہ بتاتا ہے کہ مقابلے کے قابل اصل قوت جماعت اسلامی ہی کی ہے۔ باقی تو "ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے" معاملہ برابر سرابر کا ہے۔ کیا رفقاء اس بشارت کو سمجھ سکیں گے؟

بیگانوں اور یگانوں اور دشمنانِ دین اور خادمانِ دین کا متذکرہ مشترکہ محاذ ایک پروپیگنڈا یہ کرتا ہے کہ جماعت اسلامی کے جو لوگ اقتدار پر گئے، انہوں نے بدعنوانیاں کیں اور ناجائز فائدے اٹھائے۔ اس ہجو کا مطلع تو وہ بڑے زور سے اٹھاتے ہیں مگر آگے بڑھتے ہوئے ان کی لے ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ مثال میں پیش کرنے کو کوئی امر واقعی نہیں ملتا۔ پھر اور آگے جا کر تو وہ دل ہی دل میں شدید شرمسار

بھی ہونے لگتے ہیں کہ ان لوگوں نے فائدہ تو کیا اُٹھانا تھا، اُلٹا جو فوائد اُن کو جائز طور پر ملتے تھے، اُن کو بھی انہیں سمیٹا۔ بعض نے تنخواہیں لی ہی نہیں اور بعض نے تنخواہ اور سفری الاؤنس وغیرہ سب واپس کر دیئے۔ نہ کسی نے بیٹوں بھتیجوں کو فائدے پہنچائے، نہ کوٹھیاں یا زمینیں الاٹ کرائیں۔ نہ جماعتی ساتھیوں کو نوکریاں دلوائیں۔ کورے کے کورے واپس آگئے۔ پاکستان کی تاریخ میں جماعت کے وزراء نے پہلی بار وہ زریں مثال قائم کی ہے جس کو نبھانا بعد والوں کے لیے مشکل ہوگا۔

ہم خدا کے سامنے اس کے لیے شکر ادا کرتے ہیں، اور مخالفین کے سامنے فخر کا اظہار کرتے ہیں۔

جماعت اسلامی کو کمزور کرنے اور نقصان پہنچانے والا ایک پروپیگنڈا اور بھی ہے جسے اُٹھانے میں شرپسند بھی شامل ہیں اور نادانی سے ہمارے محب اور خیرخواہ بھی!

وہ یہ ہے کہ جماعت کو بار بار یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ اوّل تو انتخابات ہوں گے ہی نہیں، اور ہوئے بھی تو اُن سے مثبت نتائج کا نکلنا ناممکن اور گزشتہ کے تجربے کا دہرایا جانا یقینی ہے۔ دینی حلقوں کے ووٹ بٹیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اچھی پارٹیوں کو دو دو چار چار نشستیں مل جائیں گی۔ غالب اکثریت مخالفِ اسلام و پاکستان عناصر ہی کی ہوگی۔ پس انتخابات کو ملتوی کرانا چاہیے اور فوجی اقتدار کو جاری رہنے دینا چاہیے۔

یہ بات اتنی بار دہرا دہرا کر اندر سے اور باہر سے کہی گئی ہے کہ یہ ہمارے ذہنوں میں نفوذ کرنے لگی ہے مگر ایسے یاس انگیز نقطۂ نظر کے جڑ پکڑنے کے معنی یہ ہیں کہ اوّل تو ہم آگے بڑھ کر کچھ کام کریں ہی نہیں، اور کریں بھی تو اتنی بے دلی سے کہ کوئی بڑا نتیجہ نہ نکلے۔

ذہن سے اس نقطۂ نظر کا سارا بوجھ اُلٹ کر پرے پھینک دیجیے۔ قطعی طور پر یہ طے کر لیجیے کہ انتخاب ہوں گے اور لازماً ہونے چاہییں اور اُن کو مؤخر نہ کیا جانا چاہیے۔ حالات خاصے اُلجھے ہوئے ہیں اور اگر فوجی اقتدار دو چار مہینے یا سال بھر تک اور آگے جائے گا تو یہ اور اُلجھ جائیں گے۔ خطرہ یہ پیدا ہو جائے گا کہ اندر کوئی مدوجزر شروع نہ ہو جائے۔ دوسرا خطرہ یہ سامنے آتا ہے کہ کہیں حالات ویسے ہی نہ ہو جائیں کہ یحییٰ خاں کی طرح جلد سے جلد ایوانِ حکومت سے بھاگنے کا فیصلہ کر کے اقتدار کسی بھی راہ چلتے کی جھولی میں ڈالنا پڑ جائے ــــ کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیسا ہوگا۔

انتخابات کے متعلق جب آپ دو ٹوک فیصلہ کر لیں گے تو آپ کی قوتِ عمل صحیح اور پورا کام کرے گی۔

آپ قومی اتحاد کو مضبوط اور وسیع تر کرنے کے لیے بھی کوشاں ہوں گے، اور اپنی جگہ ووٹروں پر بھی اثر انداز ہوں گے۔

انتخابی مہم میں جتنی اہمیت کانفرنسوں، جلسوں، کارنر میٹنگز، گھریلو نشستوں اور پوسٹروں، پمفلٹوں، بیانوں، قراردادوں اور پریس کانفرنسوں کی ہے، اس سے کہیں بڑھ کر اہم اور مؤثر اور نتیجہ خیز کام شہری محلوں اور دیہی بستیوں میں عوام الناس سے انفرادی رابطوں، ملاقاتوں اور گفتگوؤں کا ہے۔

ایک بار اگر جماعت اسلامی کے ارکان، کارکنان اور حامیان دل سے اس خوف کو نکال کر کہ ہر شخص بس اُن کی مخالفت کے لیے تُلا بیٹھا ہے، پورے عزم سے مناسب منصوبے کے تحت میدان میں آجائیں اور کم سے کم ایک لاکھ آدمی آنے والے پانچ ماہ میں سو سو افراد فی کس کے حساب سے رابطہ کریں تو ایک خاصی تعداد اُن کو ایسی ملے گی جو پہلے سے قومی اتحاد یا جماعتِ اسلامی کو پسند کرنے والی ہے۔ ایک تعداد ایسی ملے گی جو معمولی ردّ و کد کے بعد آپ کی ہمنوائی کے لیے تیار ہو جائے گی۔ پھر ایک تعداد وہ ہو گی جس کو تعصبات اور جذباتی ہیجانات سے نکالنے میں ذرا زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔ آخر میں کمیونسٹوں، قادیانیوں، کٹر قسم کے پیپلیوں، خالص مفاد پرستوں، خیانت کاروں، تفرقہ باز مولویوں کے لاعلاج فریب خوردہ اور غنڈوں اور جرائم پسندوں کی وہ تعداد رہ جائے گی، جسے آخر دم تک ہر حال آپ کی مخالفت کرنی ہے۔

دیہی علاقوں میں اس طرح کا گہرا کام کرنے کے لیے جماعت کے حامی نوجوان طلبہ کو اس سال چھٹیوں کا پورا زمانہ صرف کر دینا چاہیے۔ وہ دو دو چار چار کے وفود بنا کر بھی گشت کریں، وہ اہم بستیوں کے قریب دو دو تین تین روز کے کیمپ بھی لگائیں جہاں سے وہ روزانہ چاروں طرف پھیل کر مسجدوں، گلیوں، اور کھیتوں میں سادہ مزاج دیہاتیوں سے بات کریں۔ اُن کے اعتراضات کے کانٹے نکالیں۔ ان کے مسائل کا تجزیہ کریں۔ انھیں ملک و ملت کے خلاف کام کرنے والی قوتوں اور اُن کے اسلوب کار سے آگاہ کریں۔ نیز اسلام اور پاکستان اور عوام کے لیے اُن کی خطرناکی کو واضح کریں۔

آدمی جب آدمی کے قریب ہو کر بالمشافہ بات کرتا ہے تو آدھی بازی تو اس کے خود جانے ہی سے سر ہو جاتی ہے۔

دیہاتی علاقوں میں رفاہ و خدمت کے لیے بھی ضروری اقدامات کرنے چاہییں تاکہ اُن کی برکات

ماس ایجوکیشن یا تعلیم عوام کی مہم میں معاون ہوں ۔ اس سلسلے میں اوّلین بنیادی ذمہ داری تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کے شادی غمی کے مواقع پر اُن کے ساتھ شریک ہوں، اور بیمار پرسی اور شرکت جنازہ اور تعزیت کے لیے جائیں ۔ آگے کے کام یہ ہیں کہ کہیں مفت ٹیکے لگانے کا انتظام کریں، کہیں علاج معالجے یا سستی دواؤں کی بہم رسانی کی صورت نکالیں، لوگوں کو درخواستیں لکھ کر دینے کا بندوبست کریں، مطالعہ کے لیے دو تین اخبار منگوا کر ایک معمولی سے ریڈنگ روم کی بنا رکھیں۔ سرکاری محکموں اور اداروں (خصوصاً تعلیم، صحت، زراعت، بجلی وغیرہ) سے کام کرانے کے لیے لوگوں کے ساتھ نکلیں، خواتین کے لیے معمولی سلائی کڑھائی کے تربیتی مراکز کھولیں، مردوں اور عورتوں کے لیے قرآن وحدیث کے درس شروع کریں۔ چھوٹے بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھانے کے لیے مسجد یا کسی گھر میں انتظام کرائیں، مقامی رفاہی اور ترقیاتی کاموں کے لیے لوگوں کو جمع کریں۔ اور تحریک دلائیں۔

اُوپر کی گذارشات کی روشنی میں حلقہ خواتین کی قیادت کو مشورے سے اپنی جگہ خواتین سے رابطے کا ایسا پروگرام بنا لینا چاہیے جو جماعت کے مجموعی منصوبے سے ہم آہنگ ہو ۔

کام کی ایک راہ یہ بھی ہے کہ جماعتِ اسلامی سے تعلق رکھنے والے تمام لوگ دُور رہنے والے رشتہ داروں، دوستوں اور سابق کاروباری یا دفتری ساتھیوں کو خصوصی خط لکھ کر آنے والے مراحل کے لیے مشورے دیں ۔ اور اُن کو حمایت وتائید کے لیے آمادہ کریں ۔

معروف انتخابی طریقہ کار کے ساتھ اس مرتبہ ہمیں زیادہ وسیع وعمیق اثرات حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہیے ۔ اور یہ کام اگر اس طریق سے پورا زور لگا کے کیا جائے تو انشاء اللہ نتائج حوصلہ افزا ہونگے، بلکہ اگر خدا مدد کرے گا تو نتائج کی مقدار کام کے تناسب سے بڑھ جائے گی۔

مندرجہ بالا مجموعی نقشہ کار کے علاوہ دو مخالف قوتوں کے متعلق خصوصی مہم چلانی ہوگی - ایک قوت کمیونسٹوں کی ہے جو اس وقت اپنی پوری ذہانت صرف کر کے ہر محاذ پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہی ہے ۔

اس قوت کے خلاف اسی طرح کام ہونا چاہیے جیسے ۱۹۷۰ء میں دار الفکر کی مطبوعات کی صورت میں ہوا تھا ۔ مگر اب سابق کام سے کچھ کام آگے بڑھانے ہونگے ۔ وہ یہ ہیں:۔

۱۔ کمیونزم نے تاریخی سفر کے جو مزید مراحل اب تک طے کر لیتے ہیں اُن کے حقائق کو سامنے لایا جائے ۔

۲- خاص طور پر روس پون صدی میں اپنے باشندوں .... کی جبری سستی مزدوری استعمال کرنے کے باوجود جن پہلوؤں میں بڑی اقوام سے پیچھے ہے اُن کو اجاگر کیا ہے۔

۳- روس کے اندر عوام کی جو بے چینی تحریکِ حقوق کے پیرائے میں ظاہر ہو رہی ہے، اس کو پیش کیا جائے۔

۴- روس سے نکلنے والے دانشوروں کے تجربات سے عوام کو آگاہ کیا جائے۔

۵- روس کے مسلمانوں پر جو کچھ گذری ہے اور اب وہ جس حالت میں ہیں نیز اسلام سے متعلق جس طرح کا نظریہ کام کر رہا ہے، اس کی تصویر کشی کی جائے۔

۶- روس کی پالیسیوں اور کارروائیوں کی چکی میں جو مسلمان ممالک اب تک پسے ہیں اور پس رہے ہیں۔ اُن سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

۷- پاکستان میں کمیونسٹ سوشلسٹ گروہ کے عام تاریخی جائزے کے ساتھ ساتھ بعض خاص اداروں میں اور خاص مواقع پر انہوں نے جو پارٹ ادا کیا ہے اس کی رپورٹ قوم کے سامنے رکھی جائے

۸- علاقائی زبانوں اور کلچر کو بنیاد بنا کر ان لوگوں نے پاکستان کو ٹکڑوں میں بانٹنے کے لیے جو مساعی کی ہیں اور بائیں بازو کے سیاست کاروں نے پاکستان میں چار چار صوبائی قومیتوں کا نعرہ لگا کر جن فتنوں کی بنیاد رکھی ہے ان کا حال بھی سامنے آنا چاہیے۔

۹- ادب میں اسلام، اسلامی کرداروں، اسلامی شخصیتوں اور اسلامی قانون کے خلاف تحقیر و تضحیک کے لیے جو کچھ لکھا گیا ہے، فحاشی و عریانی پھیلانے کے لیے جو فن پارے پیش کیے ہیں، اسلامی معاشرے کے محترم رشتوں کی جس طرح تذلیل کی گئی ہے، نیز نظریہ پاکستان کے خلاف جو مواد اب تک آ رہا ہے، اس کا پورا گلدستہ سجا کر برسرِ عام رکھ دینا چاہیے۔

مطالعہ رکھنے والے ذہین افراد کا ایک گروپ کنارے بیٹھ کر صرف اس کام کو انجام دے۔ ساتھ کے ساتھ پمفلٹ مرتب ہو کر شائع ہوتے جائیں۔ یہاں تک کہ تین ماہ میں ضروری مواد اگر پورا اشاعت میں نہ آسکے تو بھی مرتب ضرور ہو جائے۔

دوسری مخالف قوت ملکر اور تفرقہ بازانہ مولویوں کی ہے جو امت کی وحدت کو پھاڑ کر موجودہ نازک مرحلے میں دانستہ یا نادانستہ مخالفِ اسلام عالمی سازشی کاروں کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مناسب صورتیں یہ ہیں:-

(باقی بر صفحہ ۴۶)

داعئ حق کی خصوصیات

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مد ظلہ العالی کا ایک تازہ انٹرویو)

مرتبہ: سلیم منصور خالد - ایم - اے

یہ انٹرویو عالمی تحریکاتِ اسلامی کے فکری قائد اور بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن امریکہ و کینیڈا (M.S.A) کے نمائندہ جناب انیس احمد نے ۸ر اپریل ۱۹۷۹ء کو لیا - یہ انٹرویو دراصل ایم - ایس - اے کے سالانہ اجتماع کے شرکاء کے لیے پیغام کے طور پر فلم بند ریکارڈ کیا گیا، جو کہ ایک ہی سوال اور اس کے جواب پر مشتمل ہے - مولانا محترم کی صحت کا لحاظ کرتے ہوئے مزید سوالات نہیں کیے گئے - اس طرح یہ اپنی جگہ پر ایک مکمل گفتگو ہے -

(ادارہ)

نمائندہ - ایم - ایس - اے: مولانا! سب سے پہلے میں جنوبی امریکہ اور کینیڈا کے مسلمانوں اور مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی جانب سے آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہماری دعوت کو قبول فرمایا اور ناسازئ طبع کے باوجود ہمارے سالانہ اجتماع ۱۹۷۹ء کے لیے خصوصی انٹرویو دینا پسند فرمایا - یہ اللہ تعالیٰ کی نہایت مہربانی اور اس کا فضل ہے کہ جنوبی امریکہ میں تحریک اسلامی کی فکر آپ کی اور اخوان المسلمون کے رہنماؤں کی تحریروں کی بدولت تیزی سے پھیل رہی ہے اور اسلامی انقلاب کا تصور ذہنوں میں جڑ پکڑ رہا ہے - آج امریکہ میں بے شمار انسان آپ کی ایک جھلک دیکھنے اور آپ کی طرف سے رہنمائی کے چند کلمات سننے کے منتظر ہیں - انہی کی خواہش پر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

سوال: محترم مولانا! قرآن کریم، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی الی اللہ قرار دیتا ہے۔ آپ قرآن اور سیرتِ پاک کی روشنی میں ایک داعیٔ حق کی کون سی اہم خصوصیات بیان فرمائیں گے؟

جواب: از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی:- امریکہ اور کینیڈا میں جو اللہ کے بندے تحریک اسلامی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان سب کو میری طرف سے سلام پہنچا دیجیے۔ میں زیادہ دیر تک بات نہیں کر سکتا اس لیے مختصر طور پر آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔

قرآن کریم میں ایک آیت ہے جس میں ایک داعی کی اہم خصوصیات کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:-

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

"یعنی اس شخص سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔"

اس ارشاد کی پوری اہمیت سمجھنے کے لیے یہ چیز نگاہ میں رکھنی ضروری ہے کہ یہ بات مکہ معظمہ کے حالات میں کہی گئی۔ یہ وہ دَور تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں پر شدید مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ ایسے عالم میں یہ کہنا اور اس بات کا اعلان کرنا کوئی آسان کام نہ تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ ایسی بات کہنا گویا اپنے اوپر درندوں کو حملہ آور ہونے کی دعوت دینا تھا۔ اِن حالات میں پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ بہترین قول اس شخص کا ہے جو اللہ کی طرف بلائے۔ دوسرے الفاظ میں ایک داعیٔ حق کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی دعوت اللہ کی طرف ہو، کوئی دُنیاوی غرض اس کے سامنے نہ ہو، نہ وطنی، نہ قومی، نہ خاندانی اور نہ مادی۔ کوئی دوسرا مقصد اس کے پیشِ نظر نہ ہونا چاہیے۔ کوئی شخص خالص اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہو تو قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ایسے داعی کی اوّلین خصوصیت یہ معلوم ہوئی کہ اسے اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینی چاہیے۔ اس بات کی دعوت دینی چاہیے کہ خدا کے سوا کسی کی بندگی، کسی کی عبادت اور کسی کی پرستش نہ کی جائے۔ خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو، خدا کے سوا کسی سے کوئی طمع

نہ ہو، صرف خدا ہی کے احکام اور اس کے فرامین کی اطاعت اُس کے پیش نظر ہو۔ اسی کے قانون کی پیروی مطلوب ہو۔ آدمی دُنیا میں جو کام بھی کرے یہ سمجھتے ہوئے کرے کہ میں کس کا بندہ ہوں اور کس کے سامنے جا کر مجھے جوابدہی کرنی ہے۔ انسان کی تمام کوششوں اور ساری جدوجہد کا مرکز و محور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر اور اس کے ذریعے رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیے۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ داعیِ حق عَمِلَ صَالِحًا کی خوبی سے آراستہ ہو۔ یعنی نیک عمل کرے۔ اس فرمان پہ ذرا بھی غور کیا جائے تو پورا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ یہ کہ دعوت دینے والے کا اگر اپنا عمل درست نہ ہو تو پھر اُس کی دعوت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ایک انسان جس چیز کی طرف دعوت دے اُسے اُس کا عملی مجسمہ ہونا چاہیے۔ اس کی اپنی زندگی میں خدا کی نافرمانی کا کوئی شائبہ تک نہ پایا جائے، اس کے اخلاق ایسے ہونے چاہییں کہ کوئی شخص اس کے دامن پر ایک دھبہ تک نہ دکھا سکے۔ اس کے گرد و پیش کا ماحول، اس کا معاشرہ، اس کے دوست، اس کے عزیز و اقارب سب یہ جانتے ہوں کہ ہمارے درمیان یہ ایک نہایت بلند اور پاکیزہ کردار آدمی ہے۔

یہ تعلیم ہمیں قرآن پاک کے ساتھ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی قدم قدم پر ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی حیاتِ طیبہ شہادت دیتی ہے کہ جب وہ خدا کی طرف سے دعوتِ حق دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ معاشرہ جس میں آپؐ چالیس سال سے موجود تھے آپؐ کے عظیم الشان کردار کا شاہد تھا۔ اس معاشرے میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جو آپؐ کی بلندیِ اخلاق کا قائل نہ ہو اور آپؐ کے ظاہر و باطن کی زندگی کا معترف نہ ہو۔ جو آپؐ کے جس قدر قریب تھا وہ اتنا ہی آپؐ کا زیادہ معتقد تھا۔ جن افراد سے آپؐ کی زندگی کا کوئی پہلو چھپ نہیں سکتا تھا انہوں نے سب سے پہلے آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پندرہ سال سے آپؐ کی زوجیت میں تھیں اور وہ کوئی کمسن عورت نہیں تھیں بلکہ عمر میں اُن سے بڑی تھیں۔ جس وقت آپؐ نے نبوّت کا دعویٰ کیا اس وقت اُن کی عمر پچپن سال تھی۔ ایک ایسی پختہ، سن رسیدہ اور دانشمند خاتون سے جس نے پندرہ سال سے اپنے شوہر کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہو، شوہر کا کوئی عیب اُس سے چھپ نہیں سکتا۔ دُنیاوی اغراض کے لیے ایک بیوی اپنے شوہر کے ناجائز کاموں میں بھی شریک ہو سکتی ہے لیکن

اس پر ایمان کسی صورت نہیں لا سکتی - عقیدۃً بھی وہ یہ ماننے کے لیے کبھی تیار نہیں ہو سکتی کہ یہ شخص خدا کا رسول ہو سکتا ہے یا اسے ہونا چاہیے - لیکن حضرت خدیجہؓ آپؐ کی اس حد تک معتقد تھیں کہ جب آپؐ نے نبوت کی بشارت کا ماجرا بیان فرمایا تو انہوں نے ایک لمحے کا تامل کیے بغیر اسے تسلیم کر لیا -

قریب سے دیکھنے والے دوسرے شخص زید بن حارثؓ تھے جو غلام کی حیثیت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے میں آئے تھے - جب آئے تھے تو پندرہ برس عمر تھی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز ہوا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عمر تیس سال تھی - اس کا مطلب یہ ہے کہ پورے پندرہ سال انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہ کر ہر طرح سے اور ہر پہلو سے آپؐ کی زندگی کو دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کا موقع ملا - اور اُن کی شہادت ایک خاص صورتِ واقعہ میں سامنے آتی ہے - واقعہ یہ تھا کہ وہ بچپن میں والدین سے بچھڑ گئے تھے اور خدا کی قدرت نے انہیں حضورؐ تک پہنچا دیا - جب اُن کے والدین اور اُن کے چچا کو معلوم ہوا کہ ہمارا بیٹا فلاں جگہ غلامی کی زندگی بسر کر رہا ہے تو وہ مکہ معظمہ آئے - یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے - اُنہوں نے آکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ:

"آپؐ کا بڑا احسان ہوگا، اگر آپؐ ہمارے اس بیٹے کو آزاد فرما دیں"۔

آپؐ نے فرمایا کہ:-

"میں لڑکے (زیدؓ) کو بلا لیتا ہوں، وہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو میں آپ کے ساتھ روانہ کر دوں گا، اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہیے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو میرے ساتھ رہنا چاہے تو اُسے زبردستی اپنے سے علیحدہ کر دوں"۔

آپؐ کی اس بات کے جواب میں، انہوں نے کہا کہ آپؐ نے بہت انصاف کی بات کہی ہے - آپؐ زید کو طلب فرمایئے - جب حضرت زیدؓ اُن کے سامنے آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟"

حضرت زیدؓ نے کہا:

"جی ہاں! یہ میرے والد اور چچا ہیں"۔

آپ نے فرمایا کہ:

"یہ تمہیں گھر واپس لے جانے کے لیے آئے ہیں، تم جانا چاہو تو بڑی خوشی سے ان کے ساتھ جا سکتے ہو۔"

ان کے والد اور چچا نے بھی یہی کہا کہ "ہم تمہیں لے جانا چاہتے ہیں"۔

حضرت زیدؓ ابن حارثہ نے کہا کہ:

"میں نے ان میں (حضورؐ کی طرف اشارہ) ایسی خوبیاں دیکھی ہیں کہ جن کے بعد انہیں چھوڑ کر میں اپنے باپ اور چچا اور رشتہ داروں کے پاس جانا نہیں چاہتا"۔

یہ تھی آپؐ کے اخلاق کے بارے میں آپؐ کے خادم کی گواہی۔ ایک خادم احسان مند تو ہو سکتا ہے لیکن اتنا متاثر اور گرویدہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے مخدوم پر ایمان لے آئے۔ ایمان لانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کردار کی ایسی بلندی اور اخلاق کی ایسی پاکیزگی دیکھی ہو کہ جس کے بعد اسے یہ ماننے میں ذرا تامل نہ ہو کہ میرا مخدوم نبی ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رکھیے کہ حضرت زیدؓ بن حارث کسی معمولی قابلیت کے آدمی نہیں تھے۔ مدینہ طیبہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم ہوئی تو انہیں بکثرت فوجی مہمات میں لشکرِ مجاہدین کا سالار بنایا گیا۔ یہ گواہی ایسی قابلیت کے انسان کی گواہی تھی۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جنہیں نبوت سے پہلے بیس سال تک ایک گہرے دوست کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کا موقع ملا، آپ کی نشست و برخاست آپؐ کے سامنے تھی۔ اور مکہ معظمہ میں سب سے زیادہ جن دو آدمیوں کی دوستی تھی ان میں سے ایک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور دوسرے حضرت ابوبکرؓ صدیق۔ ایک دوست اپنے دوست کو پسند کر سکتا ہے، اس سے اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہے۔ لیکن کبھی اتنا معتقد تو نہیں ہو سکتا کہ اس کو نبی مان لے۔ حضرت صدیقؓ کا بلا تامل آپؐ کو نبی مان لینا ظاہر کرتا ہے کہ بیس سال کی ایک طویل مدت کے دوران میں انہوں نے آپؐ کو اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کا مجسم نمونہ پایا۔ جب ہی تو انہوں نے یہ تسلیم کیا۔ اور اس بات کا اعلان کیا کہ اتنے بلند کردار کا آدمی یقیناً نبی ہو سکتا ہے اور اس کو نبی ہو جانا چاہیے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام میں نے پہلے اس لیے نہیں لیا کہ اس وقت وہ دس سال کے تھے۔

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہی میں پرورش پائی تھی۔ لیکن دس سال کا بچہ بھی جس کے گھر میں ہو جس کے پاس رہتا ہو اس کے ہر پہلو سے واقف ہوتا ہے۔ خصوصاً اتنا ذہین انسان جیسا کہ حضرت علیؓ اپنی خصوصیات کی بنا پر آگے چل کر ثابت ہوئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچپن میں بھی یقیناً اتنی ذہانت رکھتے تھے کہ جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک ذہین بچے کا اس بات کو مان لینا اس کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ آپؐ کی شفقت، آپؐ کے انتہائی پاکیزہ اور بلند اخلاق و کردار سے واقف تھا۔

اس لیے عَمِلَ صَالِحًا کے سلسلہ میں ان اعلیٰ مثالوں سے معلوم ہوا کہ انسان جس چیز کو پیش کر رہا ہو۔ اس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس دعوت کے مطابق بسر ہو رہی ہو۔ وہ اتنے پاکیزہ اخلاق اور بلند کردار کا مالک ہو کہ جب وہ اللہ کے راستے کی طرف بلانے کے لیے اٹھے تو اس کی بات میں وزن ہو۔ اور اس کے قول میں اثر، اس کا عمل شہادت دے اور لوگ تسلیم کریں کہ یہ واقعی اپنے قول میں سچا ہے۔ قطعِ نظر اس سے کہ لوگ اس چیز کو مانیں یا نہ مانیں — لیکن یہ تو ان کو ماننا پڑے گا کہ یہ آدمی اپنے قول میں سچا ہے، جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس بناء پر کہہ رہا ہے کہ وہ اس نظریے، اس اصول اور اس دعوت کا قائل ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن ابوجہل نے ایک مرتبہ خود کہا "کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تم کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس پیغام کو جو تم لائے ہو جھوٹا کہتے ہیں"۔ یعنی آپ کا بدترین دشمن بھی آپؐ کی صداقت کا قائل تھا۔ پس ایک داعی کی دوسری بڑی خصوصیت اس کے قول و عمل کی یہ صداقت ہے، یہ بلندیٔ کردار ہے اور یہ پاکیزگیٔ اخلاق ہے۔

تیسری خصوصیت یہ بیان فرمائی گئی: وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ہ (یعنی وہ کہتا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اسے سمجھنے کے لیے مکہ معظمہ کا وہ ماحول پیش نظر رہنا چاہیے جسے میں شروع میں بیان کر چکا ہوں — یہ وہ دور تھا کہ جب کسی فرد کا اٹھ کر یہ اعلان کرنا کہ میں مسلمان ہوں، کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بلکہ درندوں کو اپنے اوپر حملہ آور ہونے کی دعوت دینا تھا — تو داعی حق کی یہ خصوصیت سامنے آتی ہے کہ وہ نہ صرف اللہ کی طرف دعوت دینے والا ہو، نہ صرف پاکیزہ عمل رکھنے والا ہو، بلکہ وہ بدترین دشمنوں اور انتہائی ناسازگار حالات میں بھی اپنے مسلمان ہونے سے انکار نہ کرے۔ اپنے مسلمان ہونے کو چھپائے نہیں۔ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان اور اقرار کرنے

میں وہ نہ شرمائے، نہ جھجکے اور نہ ڈرے۔ بلکہ کھلم کھلا یہ کہے کہ "ہاں میں مسلمان ہوں جو کچھ جس کا جی چاہے کرلے"۔ دوسرے الفاظ میں داعی حق کی تیسری بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ وہ نہایت جری آدمی ہو، نہایت بہادر آدمی ہو۔ کسی بزدل آدمی کا کام نہیں ہے کہ وہ خدا کے راستے کی طرف دعوت دے۔ جو ذرا سی چوٹ لگنے پر بلبلے کی طرح بیٹھ جانے والا ہو۔ ایسا انسان کبھی خدا کے راستے کی طرف نہیں بلا سکتا۔ خدا کے راستے کی طرف دعوت جو شخص دے سکتا ہے وہ، وہ ہے جو سخت سے سخت دشمنی کے ماحول میں، مخالفت کے ماحول میں، خطرات کے ماحول میں اسلام کا علم لے کر اٹھ کھڑا ہو اور اس بات کی پروا نہ کرے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات، اس شجاعت کا ایک مکمل اور عملی نمونہ ہے۔ مکہ معظمہ میں کھلم کھلا آپؐ نے دعوت اسلام پیش کی۔ شہادت حق کا فریضہ انجام دیا اور ان لوگوں کے درمیان یہ کام جاری رکھا، جو آپؐ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے، اور جنہوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ آپ مسلسل تیرہ سال تک اس ماحول کی تمام تر تاریکیوں، سختیوں اور مصیبتوں کے درمیان اپنی دعوت پیش کرتے چلے گئے۔ پھر مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد جو حالات پیش آئے، جن خطرناک اور بڑی بڑی لڑائیوں سے سابقہ پیش آیا، ان میں بھی آپؐ کا قدم کبھی پیچھے نہیں ہٹا۔ غزوہ حنین کے موقع پر جب کہ مسلمانوں کو تقریباً شکست ہو چکی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف اپنے مقام پر موجود رہے بلکہ میدانِ جنگ میں برابر آگے دشمن کی صفوں کی طرف بڑھتے چلے گئے اور اس بات کو چھپایا بھی نہیں کہ "میں کون ہوں"۔ آپؐ فرما رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

"میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں ——— میں ابن عبد المطلب ہوں"۔

یہ اعلان آپؐ اس جنگ میں ایسے حالات کے دوران میں کر رہے تھے، جب آپؐ دشمنوں کے نرغے میں تھے اور ساتھ صرف دو تین ساتھی رہ گئے تھے۔ اس وقت بھی یہ کہا کہ "ہاں! میں نبی ہوں"۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ایک داعی حق کو اتنا شجاع اور اتنا بہادر ہونا چاہیے جو اللہ

کی راہ کی دعوت دینے کے لیے کھڑا ہو۔ اگر داعی میں ہمت، شجاعت، استقامت اور بہادری کا جوہر نہ ہو تو وہ اس راہ میں کھڑا ہو نہیں سکتا، اور اگر کھڑا ہو بھی جائے تو اپنی بزدلی کی وجہ سے اُلٹا اس مشن کو نقصان پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ وہ چند باتیں تھیں جو میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہیں۔ اگر اس پہ غور کیا جائے تو یہ بجائے خود دعوت الی اللہ کا مکمل پروگرام ہے جس کے مطابق ہر جگہ، ہر ماحول میں کام کیا جا سکتا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

تعزیراتِ اسلام

مولانا بشیر احمد صاحب قاضی - باغ - آزاد کشمیر

(۱۹)

تشریح ۳

امام ابو حنیفہؒ دیت کاملہ کے بیسویں حصہ سے کم کی دیت عاقلہ پر لازم نہیں کرتے بلکہ اُن کے نزدیک یہ مجرم خود ادا کرے گا۔[۱]

امام احمدؒ کے نزدیک دیت کاملہ کے تیسرے حصے سے کم کی دیت عاقلہ پر واجب نہ ہوگی یہی موقف امام مالکؒ اور دیگر حضرات کا ہے۔ اور امام شافعیؒ کا موقف صحیح قول کی بنا پر یہ ہے کہ دیت خواہ قلیل ہو یا کثیر، عاقلہ برداشت کرے گی۔ وہ عقلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ عاقلہ اگر کثیر دیت کو برداشت کرتی ہے تو قلیل کو بھی وہی برداشت کرے گی۔[۲]

امام احمدؒ کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے یعنی یہ کہ عاقلہ پر اسی صورت میں دیت لازم ہوگی جبکہ وہ اُمومہ (وہ زخم جو دماغ تک پہنچ جائے) کی دیت کے برابر پہنچ جائے۔ اُن کی دوسری دلیل عقلی ہے۔ یعنی یہ کہ اصل میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ جس طرح تمام متلفات (تلف شدہ اشیاء) کی ضمان خود مجرم پر واجب الادا ہوتی ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی ضمانِ دیت مجرم پر ہی لازم ہونی چاہیے

---

[۱] البدائع ص ۲۵۵

[۲] المغنی جلد ۸ ص ۵۰۵ ، ۵۰۶

تھی لیکن اس اصل کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دیت کاملہ کا ثلث اور اس سے زائد، عاقلہ پہ واجب کی گئی۔ یہ اس لیے کہ ثلث کی مقدار بھاری بوجھ ہے جو مجرم برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس سے تخفیف کر کے عاقلہ پہ واجب کی گئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ثلث کا بھاری اور کثیر ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "الثلث کثیر" سے واضح ہے۔ البتہ اس سے کم دیت عاقلہ پہ واجب نہ ہوگی بلکہ خود مجرم ادا کرے گا کیونکہ یہ قابلِ برداشت مقدار ہے[1]۔

امام ابو حنیفہؒ ابوداؤد کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کے بدلہ میں "غرّة" یعنی جنین کی دیت کا فیصلہ کیا اور اس کی ادائیگی مجرم کی عاقلہ پہ لازم کی۔ اس حدیث پہ اگرچہ ابوداؤد نے سکوت اختیار کیا ہے مگر امام ترمذیؒ نے اس کو حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ کہا ہے[2]۔ اور غرّہ چونکہ مرد کی دیت کاملہ کا بیسواں حصہ ہے اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے، جس سے معلوم ہوا کہ تیسرے حصے سے کم کی دیت بھی عاقلہ پہ لازم کرنا شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ بیسویں حصے سے کم عاقلہ پہ عائد نہیں کی جائے گی اس لیے کہ حدیث میں جن جن صورتوں میں دیت عاقلہ پہ نہ ڈالنے کی وضاحت کی گئی ہے ان میں "ولاما دون ارش الموضحة"[3] کا ذکر بھی کیا گیا ہے یعنی موضحہ سے کم کا تاوان عاقلہ پہ نہ ہوگا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ موضحہ، چہرے اور سر میں زخم ہے جس پہ دیت کا بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے[4] اور موضحہ سے کم میں دیت مقدرہ نہیں ہے، چنانچہ "عن الحسن وعمر بن عبدالعزیز ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یقض فیما دون الموضحہ بشیٔ" یعنی حضرت حسن اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موضحہ سے کم کسی چیز (مقدار) کے تعین کا فیصلہ نہیں فرمایا۔

---

[1] المغنی جلد ۹ ص ۵۰۷

[2] کذا فی الذیلعی بحوالہ اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۹۴

[3] البدائع جلد ۷ ص ۲۵۵

[4] موطأ امام محمد۔

مذکورہ تشریح سے معلوم ہوا کہ کم از کم دیت مقدرہ، دیت کاملہ کا بیسواں حصہ ہے اس حد تک دیت عاقلہ پر واجب ہوگی۔ اور اس سے نیچے دیت متعین نہیں ہے، لہٰذا اس درجہ میں حکومتِ عدل لازم ہوگی اور یہ خفیف تاوان ہے جس کو مجرم خود برداشت کرسکتا ہے۔ لہٰذا بیسویں حصے سے کم تاوان عاقلہ پر لازم نہیں کیا جائے گا۔

اور حدیث میں جو ثلث کے کثیر ہونے کا ذکر ہے اس کا تعلق وصیت کے باب سے ہے دیت سے نہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق اگر دیت سے ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثلث تک دیت عاقلہ پر واجب کرتے اور اس سے نیچے خود مجرم پر عائد کرتے۔ حالانکہ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ جنین کی دیت جو ثلث سے یقیناً کم تھی، عاقلہ پر لازم کی گئی۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ درحقیقت ان کا اجتہاد ہے جو حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔[1]

قتلِ عمد کی دیت | دفعہ ۲۶

ا۔ قتلِ عمد کی دیت وہی ہوگی جو شبہِ عمد کی ہے البتہ قتلِ عمد کی دیت عاقلہ پر نہ ہوگی بلکہ خود مجرم پر واجب الادا ہوگی۔ اِلّا یہ کہ عاقلہ اپنی خوشی سے ادا کرے۔[2]

ب۔ دیت کو مقتول کے ورثاء کے درمیان میراث کے قانون کے تحت تقسیم کیا جائے گا۔

قتلِ عمد میں دیت کے وجوہِ وجوب | تشریح م ۱

قتلِ عمد کی اصل سزا تو قصاص ہے لیکن قصاص کے لیے ضروری ہے کہ جرم کا ثبوت بدون شک و شبہ ہو۔ اگر جرم شک کی وجہ سے موجبِ دیت ہوجائے تو دیت قاتل پر واجب الادا قرار دی جائے گی مثلاً مندرجہ ذیل صورتوں میں بجائے قصاص کے دیت واجب ہوگی۔

ا۔ باپ یا دادا یا اور اصل کا کوئی آدمی اپنے بیٹے یا پوتے یا نیچے اپنی فرع میں سے کسی کو قتل کردے تو قصاص ساقط ہوگا اور مجرم پر دیت اپنے مال سے واجب الادا ہوگی۔[3]

---

[1] مزید تفصیل دیکھیے، اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۹۵ باب دیت الجنین۔

[2] الدر المختار جلد ۵ ص ۳۶۳

[3] تفصیل کے لیے دیکھیے مضمون ہذا، دفعہ ۱۳ تشریح ۲ بہ عنوانِ قصاص

۲۔ عامد کے ساتھ خاطی قتل میں شریک ہو جائے۔[1]

۳۔ ان جملہ صورتوں میں شبہ کی وجہ سے قصاص کے بجائے دِیَت واجب ہو گی۔ جن کا ذکر قصاص کے باب میں دفعہ ۳ اور تشریح ۲ میں ہو چکا ہے۔

۴۔ مقتول کے ورثا میں سے بعض بجائے قصاص کے دِیَت کا مطالبہ کریں اور بعض قصاص کا تو قصاص ساقط ہو گا اور دِیَت واجب ہو گی۔ اسی طرح اگر بعض قصاص معاف کریں یا صلح کریں تو بھی قصاص ساقط ہو گا اور دِیَت واجب ہو گی۔ البتہ معاف نہ کرنے والوں کو سب دِیَت نہ ملے گی، بلکہ اُن کے حصے کی ملے گی۔[2]

خلاصہ یہ ہے کہ قصاص کی سزا اسی صورت میں دی جائے گی جب کہ کوئی شبہ موجود نہ ہو۔

تشریح ۲

قتلِ عمد میں دِیَت صرف مجرم پر عائد ہو گی۔ عاقلہ پر نہ ہو گی۔ اگر جرم میں عامد اور خاطی یا غیر مکلف شریک ہوں تو عامد پر اپنے مال سے دیت واجب الاداء ہو گی۔ اور دوسروں کی دیت ان کی عاقلہ پر ہو گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ " قصداً قتل کرنے کی دیت عاقلہ پر نہیں ہے۔ نہ تو صلح اور اعتراف کی صورت میں اور نہ غلام کے قصور کی دِیَت عاقلہ پر آتی ہے"۔[3]
اس سے معلوم ہوا کہ عامد کی دِیَت اس کے اپنے مال سے واجب الادا ہو گی۔

تشریح ۳

مجنون اور صغیر کا عمد۔

۱۔ مجنون اور صبی کا جرمِ قتل اگر عمداً بھی واقع ہو تو بھی احناف کے نزدیک اس کو خطأ پر محمول کیا جائے گا۔ اور دِیَت اُن کی عاقلہ پر لازم کی جائے گی۔ امام شافعیؒ ان کے عمد کو عمد ہی

---

[1] رد المحتار جلد ۵ ص ۳۵۵

[2] البدائع جلد ۷ ص ۲۴۷

[3] موطأ امام محمد دیۃ العمد

شمار کرتے ہیں، البتہ غیر مکلف ہونے کی وجہ سے اُن سے قصاص کو ساقط کرتے ہیں اور دیت کو اُن کے مال سے واجب الاداء قرار دیتے ہیں[1]۔

ب ۔ غیر مکلف اور مکلف کے مشترکہ فعل کے حکم میں.....؟

ان حضرات کا یہ اختلاف ایک دوسرے مسئلہ میں بھی ظاہر ہوتا ہے ۔ یعنی یہ کہ شرکائے قتل میں اگر نابالغ یا مجنون میں سے کوئی ہو تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قصاص ساقط ہوگا۔ اور ایک ہی دیت سب شرکائے قتل پر واجب الادا ہوگی جسے بالغ اور عاقل اپنے مال سے ادا کریں گے۔ اور نابالغ اور مجنون کی جانب سے اس کی عاقلہ ادا کرے گی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بالغ عقلاء پر قصاص واجب ہوگا ۔ اور صبی اور مجنون اپنے اپنے حصہ کی دیت خود ادا کریں گے اور اُن پر قصاص واجب نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ غیر مکلف ہیں، اور ان سے قصاص کا سقوط بالغ عقلاء سے قصاص کے سقوط کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ یہ مکلف ہیں ۔ وہ مثال یہ دیتے ہیں کہ اگر دو آدمی مل کر ایک شخص کو قتل کر دیں اور مقتول کا وارث قتل کرنے والوں میں سے ایک کو اگر معاف کر دے تو دوسرے سے قصاص ساقط نہ ہوگا، بلکہ اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا[2]۔

علمائے احنافؒ فرماتے ہیں کہ مجنون اور نابالغ کا عمد نہیں ہوتا ۔ یہی صفت اُن کے غیر مکلف ہونے کی علت ہے ۔ اور امام موصوفؒ ایک طرف اُن کے فعل کو عمد مانتے ہیں اور دوسری طرف ان کو غیر مکلف بھی تسلیم کرتے ہیں تو اس طرح سے وہ اپنی دیوار کو خود ہی منہدم کر دیتے ہیں ۔

امام موصوف رحمۃ اللہ کا منشا درحقیقت یہ ہے کہ صغیر اور مجنون فعل کو جانتے ہیں اور اس کا قصد کرتے ہیں اور جو فعل علم و قصد سے صادر ہو وہ عمد ہوتا ہے لہٰذا صغیر اور مجنون کا فعل عمد ہے۔

---

[1] ہدایہ جلد ۴ ص ۵۹۸

[2] الام ۔ بحوالہ اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۲۱

لیکن اگر محض علم و قصد کو عمد کہا جائے تو جانور کے فعل کو بھی عمد کہنا پڑے گا ۔ اس لیے کہ اس کا فعل بھی علم و قصد سے واقع ہوتا ہے ۔ حالانکہ اس کے فعل کو کوئی بھی عمد نہیں کہتا ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ درحقیقت عمد کا دارومدار محض علم و قصد پہ نہیں ہے بلکہ عمد کا اطلاق حقیقی معنی میں اسی صورت میں ہو گا جب کہ علم و قصد معتد بہ یعنی قابل اعتبار بھی ہو ۔ لہٰذا جانور کا فعل اگرچہ علم و قصد سے ہی صادر ہوتا ہے ۔ مگر اس کے باوجود وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوتا ۔ اس لیے اس کو عمد نہیں کہا جاتا ۔

اسی طرح صغیر اور مجنون کا فعل اگرچہ علم و قصد سے ہی صادر ہوا ہو لیکن اس علم و قصد کا کوئی اعتبار نہ ہوگا ۔ اس لیے اُن کے فعل کو عمد نہیں کہا جائے گا ۔ اور بالفرض اگر صغیر اور مجنون کے فعل کو عمد تسلیم بھی کیا جائے تو بھی اس سے احناف کے موقف میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ اس لیے کہ اُن کے نزدیک محض عمد سے قصاص واجب نہیں ہوتا ۔ بلکہ عمد ایسا ہونا چاہیے جو موجب قصاص ہو ۔ اگر وہ موجبِ قصاص نہ ہو تو شریک پر قصاص واجب نہ ہو گا ۔ مثلاً کوئی آدمی اپنے آپ کو قتل کر دے اور ساتھ ہی کسی دوسرے کو بھی قتل میں شریک کرلے تو شریک پر قصاص واجب نہ ہو گا ۔ اس مثال میں شریک نے عمداً قتل کیا ہے ، مگر اس کے باوجود اس عمد سے قصاص واجب نہ ہوگا ۔ کیونکہ اس عمد کے ساتھ مقتول کی اجازت کے ملنے کی وجہ سے عمدِ موجبِ قصاص میں نقصان واقع ہو گیا ۔ یا جیسا کہ ایک شخص کو درندہ اور آدمی دونوں مل کر قتل کر دیں تو آدمی پر قصاص واجب نہ ہو گا ۔ اور درندہ کے فعل اور صغیر یا مجنون کے فعل میں کوئی فرق نہیں ۔ کیونکہ جس طرح کہ درندہ کے علم و قصد کا اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح مجنون اور صغیر کے علم و قصد کا اعتبار نہ ہو گا ۔ یا جیسا کہ ایک شخص کا ہاتھ "حد" میں کاٹا گیا ۔ اتنے میں ایک دوسرے آدمی نے اس کا پاؤں کاٹ دیا ۔ پھر مجروح شخص ان زخموں کے سرایت کرنے کی وجہ سے مرگیا تو پاؤں کاٹنے والے پر قصاص واجب نہ ہو گا ۔ اس لیے کہ یہاں بھی عمد موجبِ قصاص میں حد کی سزا کی وجہ سے نقصان واقع ہو گیا ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قصاص کے لیے عمد معتد بہ یعنی قابلِ اعتبار عمد کا ہونا ضروری ہے ۔ لہٰذا مجنون اور صغیر کا عمد قصاص جیسی سزا کے لیے قابل اعتبار نہ ہو گا ۔ اس لیے ان کی شرکت سے جو قتل وقوع پذیر ہوگا اس سے قصاص واجب نہ ہو گا ۔

بات درحقیقت یہ ہے کہ جب دو فعل جمع ہو جائیں اور اُن میں سے ایک موجبِ قصاص ہو اور

دوسرا موجب قصاص نہ ہو تو ایسی صورت میں قصاص ساقط ہو گا۔ اس لیے کہ دو شخصوں کے فعل کے جمع ہونے کی وجہ سے دو صورتیں پیدا ہوں گی۔ ایک یہ کہ ان دونوں کے فعل کو الگ الگ شمار کیا جائے جن کا حکم بھی الگ اور مستقل بالذات ہو۔ دوسری یہ کہ ان دونوں کے فعل کے مجموعہ کو ایک فعل شمار کر کے قصاص کی سزا دی جائے۔

پہلی صورت تو ممکن نہیں اس لیے کہ اگر دو فعل شمار کیے جائیں تو پھر ایسی صورت میں دونوں افعال کی سزا الگ الگ اور مستقل طور پر دینا لازم ہونا چاہیے، یعنی جس کا فعل موجب قصاص ہو اس پر قصاص واجب ہونا چاہیے۔ اور جس کا فعل موجب دیت ہو اس پر پوری دیت واجب کی جائے۔ مگر ایسا کرنا بالاتفاق باطل ہے۔ چنانچہ خود امام شافعیؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر شریک کا فعل موجب دیت ہو تو وہ پوری دیت ادا نہ کرے گا۔ بلکہ اپنے حصہ کی دیت ادا کرے گا۔

رہی دوسری صورت، کہ دونوں کے فعل کے مجموعہ پر قصاص کی سزا دی جائے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اگر ایک شریک کا فعل موجب قصاص ہو اور دوسرے کا موجب دیت تو اس طرح کے اشتراک سے فعل کا جو مجموعہ مرتب ہو گا اس کی حیثیت فعل مستقل بالذات کی نہیں ہو گی۔ اور قصاص کی سزا کے لیے ضروری ہے کہ فعل مستقل بالذات ہو، چونکہ قصاص قابل تجزی چیز نہیں ہے کہ اس کو تقسیم کیا جائے۔

لہٰذا اب یہی صورت رہ جاتی ہے کہ قصاص کو ساقط کیا جائے اور ایک ہی دیت سب شرکاء پر تقسیم کی جائے۔ چنانچہ یہی احناف کا موقف ہے۔

امام احمد بھی صغیر اور مجنون کے فعل کو خطاء پر محمول کر کے شریک سے بھی قصاص کے سقوط کے قائل ہیں۔ البتہ ان کا احناف کے ساتھ اس بات میں اختلاف ہے کہ بیٹے کو قتل کرنے میں باپ کے شریک پر قصاص واجب ہو گا۔ اور خود باپ پر دیت واجب ہو گی۔ جب کہ احناف دونوں پر دیت کے وجوب کے قائل ہیں۔ امام موصوف کی یہ دلیل عقلی ہے کہ صغیر اور مجنوں کا فعل خطاء ہے اور باپ کا فعل عمد ہے۔ لہٰذا ان کی سزا ایک جیسی نہیں ہونی چاہیے۔

مذکورہ تشریح سے امام موصوفؒ کے موقف کا جواب بھی واضح ہو گیا۔

اور امام شافعیؒ کا قیاس بھی محل نظر ہے اس لیے کہ جس شخص سے قصاص معاف کیا گیا اس کا

(باقی بر صفحہ ۲۸)

علّامہ ابنِ قیّم رح

جناب پروفیسر طیب شاہین لودھی

(۴)

مَدارِجُ السّالِکِین | جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے کہ یہ کتاب شیخ الاسلام ابو اسماعیل ہروی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "منازل السائرین" کی مفصل شرح ہے۔ اس کتاب میں علامہ موصوف نے تصوف پر بھرپور تنقید کی ہے اور احسان و تزکیہ کے بارے میں سلفی نقطۂ نظر کو واضح کر کے پیش کیا ہے یہ کتاب مصر میں مطبع المنار سے کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد علامہ حامد الفقی کی تحقیق و تعلیق اور مزید چار قلمی نسخوں سے تقابل کے بعد شاہ سعودؒ کے خرچ پر شائع ہوئی۔ "دار الکتاب العربی" نے دوبارہ اسی کا فوٹو عکس بیروت سے شائع کیا ہے۔

الطُّرُق الحُکمِیّة فی السیاسةِ الشرعیّة | یہ علامہ ابنِ قیمؒ کی بلند پایہ کتاب ہے۔ اس موضوع پر ابن قیم سے پہلے بھی بہت سے اہلِ علم لکھ چکے ہیں۔ انہوں نے بادشاہوں کے لیے جہانبانی کے اصول متعین کیے ہیں۔ ابن المقفّع (متوفی سنہ ۱۴۲ھ) کی "رسائل الصحابة" جاحظ (متوفی سنہ ۲۵۵ھ) کی "کتاب التاج" ابن قُتَیبہ دِینوَری (متوفی سنہ ۲۷۶ھ) کی کتاب "اخبارُ العیون" میں سے "کتابُ السلطان" ابن عبدِ ربّہ (۳۲۸ھ) کی مشہور کتاب "العِقدُ الفرید" میں سے "کتابُ اللُّؤلُؤ فی السلطان" اور امام ابو حامد الغزالیؒ (متوفی سنہ ۵۰۵ھ) کی کتاب "نصیحةُ الملوک" بہت مشہور ہیں۔ نصیحةُ الملوک کا انگریزی ترجمہ (F. R. C. BAGLEY) نے کیا ہے اور اسے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا ہے۔ جناب بگلے نے مستشرقین کی عادت کے مطابق "نصیحة الملوک" کے

مشمولات کے ڈانڈے قدیم ایرانی نظریات اور ساسانیوں سے ملانے کی کوشش کی ہے۔ امام غزالیؒ نے "احیاء علوم الدّین" کے ابواب اصولِ احتساب کے لیے مختص کیے ہیں۔ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی (متوفی ۴۵۰ھ) اور قاضی ابو یعلیٰ (متوفی ۴۵۸ھ) نے "الاحکام السلطانیہ" کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔ اس موضوع پہ امام ابن تیمیہؒ نے بھی "السیاسۃ الشرعیۃ" اور "الحسبۃ" کے نام سے دو کتابیں سپردِ قلم کی ہیں۔ قاضی ابو یعلیٰ اور علامہ ماوردیؒ دونوں ہم عصر تھے۔ دونوں کتابیں نہایت بلند پایہ کتابیں ہیں۔ علامہ ماوردی کی کتاب غالباً متقدم ہے۔ قاضی ابو یعلیٰ نے ترتیب کے لحاظ سے ماوردی کی پیروی کی ہے۔ حنبلی فقہ کے مطابق اس میں بعض اضافے اور توضیحات ہیں۔ جن سے اس کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ ان کتابوں میں زیادہ تر ان قوانین پر بحث کی گئی ہے جن کو جدید قانونی اصطلاح کے مطابق دستوری حقوق، حقوقِ عامہ اور قوانینِ عامہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

الطرق الحکمیۃ کا موضوع زیادہ تر عدالتوں کے طریقۂ تفتیش، قوانینِ شہادت اور شعبۂ احتساب سے تعلق رکھتا ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں اس کتاب میں یکجا کر دی گئی ہیں جو کسی اور کتاب میں یکجا نہیں ملیں گی۔ مثلاً مسلمان ججوں کی فراست کے واقعات جنہیں پڑھ کر ایک آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ یہ کتاب علامہ حامد الفقی کی تحقیق کے ساتھ سعودی حکومت کے خرچ پر شائع ہوئی ہے۔

زاد المعاد فی ھدی خیر العباد "زاد المعاد" سیرتِ نبویؐ پر ایک بہترین کتاب ہے۔ قرنِ اوّل ہی میں اہلِ قلم نے سیرتِ طیبہؐ کے موضوع پہ لکھنا شروع کر دیا تھا۔ حدیث کی تدوین بھی اگرچہ بنیادی طور پر سیرت ہی کا کام ہے، لیکن ابتدا ہی سے احادیث کی ترتیب فقہی عنوانات کے مطابق رکھی گئی اور ان کا مقصد تشریع اور قانون رہا ہے۔ اور اسی لیے محدثین نے زیادہ تر اسی نقطۂ نظر سے حدیث کو مدوّن کیا ہے۔ بایں ہمہ محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمائلِ طیبہ پر مستقل ابواب مختص کیے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی نہج پہ سیرت اور مغازی کو مدوّن کیا ہے۔ محمد بن اسحاقؒ (متوفی ۱۵۱ھ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیرتِ طیبہؐ کو مستقل طور پر مدوّن کیا۔ پھر ان کے شاگرد ابنِ ہشام (متوفی ۲۱۳ھ) نے اس کو کتابی شکل میں محفوظ کیا۔ اس کے بعد سیرت نویسی ایک مستقل فن کے طور پہ مروّج ہوئی۔ نیز ہدیۂ عقیدت کے طور پر بھی بہت کچھ لکھا

گیا اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔
امام ابن قیمؒ سے پہلے اگرچہ بہت سی کتابیں سیرتِ طیبہ پر لکھی جا چکی تھیں مگر "زاد المعاد" ایک انوکھی ترتیب کی حامل ہے۔ ابن قیمؒ نے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپ کی شمائل و عاداتِ مقدسہ پر مشتمل روایات کو ترتیب زمانی کے مطابق اپنے تبصرے اور نقد و جرح کے ساتھ جمع کیا ہے، وہاں ان روایات سے فقہی استنباط کر کے آپ کی اتباع کی طرف رغبت دلاتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ زاد المعاد میں تقریباً تمام تر قابلِ اعتماد اور مستند روایات کو سامنے رکھا گیا ہے۔ زاد المعاد بیک وقت سیرتِ طیبہ اور فقہ حدیث کی کتاب ہے۔ بعد میں لکھی جانے والی سیرت کی کتابوں کے لیے ایک مستند ماخذ قرار پاتی ہے۔ زاد المعاد ۱۲۹۸ھ میں کانپور سے شائع ہوئی۔ ۱۳۲۴ھ ۱۳۴۷ھ اور ۱۳۶۹ھ میں مصر میں شائع ہوئی۔ ابھی حال ہی میں اسی کا فوٹو عکس بیروت سے شائع ہوا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں اس کا اردو ترجمہ جو رئیس احمد جعفری ندوی مرحوم کا کیا ہوا ہے۔ کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

اغاثۃ اللهفان یہ کتاب تزکیۂ نفس کے موضوع پر بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں زیادہ تر "متزہدین" کے ان وسوسوں کا ذکر ہے جن کی بنا پر یہ حضرات نہایت خلوص کے ساتھ دین کے بعض امور میں تحریف کر گزرتے ہیں اور اسے تقویٰ کا نام دیتے ہیں — حالانکہ قرآن و سنت میں تعبّدی حدود واضح کر دی گئی ہیں اور ان کا اختیار کرنا ہی حقیقی تقویٰ ہے۔ وسوسے کو تقویٰ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تو ایک شیطانی جھانسہ ہے جس کی وجہ سے تصوف کا منتہی آدمی شارع کی متعین کردہ حدودِ تعبّد کو تسلیم نہیں کرتا، بلکہ تحریف و بدعت کا دروازہ کھولتا ہے۔ اس کتاب میں اس قسم کے بے شمار وساوس کا ذکر ہے۔ ان حیلوں کا بھی ذکر ہے جن کے ذریعے خواہشاتِ نفس کے پجاری اللہ تعالیٰ کی شریعت کو معطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کتاب میں "طلاقِ ثلاثہ" کے موضوع پر بہت عمدہ اور نفیس بحث کی ہے، اور جمہور کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بدعی طلاق واقع نہیں ہوگی، نیز ایک ہی مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی۔

کتاب الروح یہ بڑی عجیب و غریب کتاب ہے۔ اس میں روح اور اس کی ماہیت پر بحث

کی گئی ہے۔ اس میں رُوح کے متعلق فلاسفہ اور متکلمین کی آراء نقل کر کے ان پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔ بہت سے لوگوں کے ذاتی مشاہدات نقل کیے گئے ہیں۔ اکثر روایات علامہ موصوف کے اس معیار سے فروتر ہیں جو احادیث اور روایات و آثار کو قبول کرنے کے لیے اُن کے ہاں پایا جاتا ہے۔ خصوصاً ابنؒ ابی الدنیاؒ کی مرویات کو عموماً بلا تبصرہ نقل کر دیا گیا ہے، حالانکہ ابن ابی الدنیاؒ کی روایات کے متعلق اہلِ علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان میں سے اکثر قابلِ استناد نہیں۔ اپنی اس کتاب میں وہ "علامہ جلال الدین السیوطیؒ" (متوفی ۹۱۱ھ) دکھائی دیتے ہیں۔ برزخ کی زندگی اور عذابِ قبر کو بڑی تفصیل سے زیرِ بحث لائے ہیں۔ یہ کتاب دکن اور مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ ہماری نظر سے اس کا اُردو ترجمہ گزرا ہے۔

ابن قیم کی دیگر کتب | متذکرہ کتب کے علاوہ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں طبع ہو چکی ہیں:۔

۱۔ اجتماع الجیوش الاسلامیہ
۲۔ اغاثۃ اللھفان فی حکم طلاق الغضبان
۳۔ بدائع الفوائد
۴۔ التبیان فی اقسام القرآن
۵۔ تحفۃ الودود
۶۔ تفسیر المعوذتین
۷۔ جلاء الافہام
۸۔ الجواب الکافی
۹۔ حادی الارواح
۱۰۔ روضۃ المحبین
۱۱۔ شفاء العلیل
۱۲۔ طریق الھجرتین
۱۳۔ عدۃ الصابرین
۱۴۔ تھذیب السنن
۱۵۔ الفوائد
۱۶۔ الکافیۃ الشافیۃ
۱۷۔ مفتاح دار السعادۃ
۱۸۔ الرسالۃ التبوکیۃ
۱۹۔ کتاب الصلوٰۃ۔

مراجع | اس موضوع پر چند کتبِ استفادہ یہ ہیں:۔

۱۔ کتاب الرسالۃ — امام شافعیؒ — بتحقیق احمد محمد شاکرؒ
۲۔ اختلاف الحدیث — امام شافعیؒ
۳۔ حجۃ اللہ البالغۃ — امام شاہ ولی اللہؒ
۴۔ منہاج السنۃ — امام ابن تیمیہؒ
۵۔ اعلام الموقعین — امام ابن قیمؒ

۶- الطرق الحکمیة — امام ابن قیمؒ

۷- کتاب الروح — //

۸- اغاثة اللهفان — //

۹- زاد المعاد — //

۱۰- مدارج السالکین — //

۱۱- موارد الظمآن — //

۱۲- ابن حزمؒ — پروفیسر ابوزہرہ

۱۳- احمدؒ بن حنبل — //

۱۴- المنجد (حصہ اعلام)

۱۵- تحریک حریت فکر اور شاہ ولی اللہ — مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ

۱۶- ارشاد الفحول — امام شوکانیؒ

۱۷- قول المفید — //

۱۸- البدایة والنهایة جلد ۱۳، ۱۴ — امام ابن کثیرؒ

۱۹- طبقات الحنابلة — ابن ابی یعلیٰؒ

۲۰- الذیل علی طبقات الحنابلة — ابن رجبؒ

۲۱- مقدمہ تحفة الاحوذی — عبدالرحمٰن مبارکپوری

۲۲- تهذیب التهذیب — حافظ ابن حجرؒ

۲۳- تاریخ تفسیر و مفسرین — پروفیسر غلام احمد حریری

۲۴- معیار الحق — سید نذیر حسین دہلویؒ

۲۵- تاریخ ادب عربی (مترجم) — احمد حسن زیات

۲۶- LITRARY HISTORY OF ARABS — نکلسن

۲۷- COUNSEL FOR KINGS (صرف مقدمہ) — بنگلے

(بقیہ تعزیراتِ اسلام)

فعل موجبِ قصاص تھا اور اس پر قصاص واجب ہو چکا تھا، جو معاف کرنے سے ساقط ہو گیا۔ لیکن صغیر اور مجنون کا فعل اس شخص کے فعل کے مانند نہیں ہے۔ لہٰذا قیاس باطل ہے[1]۔

قتل خطاء کی دیت۔ دفعہ ۲۵

جو دیت شبہ عمد کی ہے وہی قتل خطاء کی بھی ہو گی۔

تشریح:- شبہ عمد درحقیقت خطاء کی ایک قسم ہے اور قتل خطاء میں نقود کی صورت میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم دیتِ مقدرہ ہے[2] جو عاقلہ پر مہلت کے ساتھ واجب الادا ہو گی اور مہلت کی تفصیل دفعہ ۲۴ میں گزر چکی ہے۔

۱۔ مکمل بحث دیکھیے اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۲۱ - ۲۔ ہدایہ جلد ۴ ص ۵۸۵ -

شراب کے مادّی اثرات و نتائج

از ریاض الحسن نوری

(۲)

شراب کے مزید اقتصادی نقصانات امریکہ میں پرلے درجے کے عادی شرابیوں Alcoholics کی تعداد ۳۰ لاکھ ہے۔ امریکہ میں سالانہ شراب پر ۷،۵۵۰،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر یعنی ،، ارب ۵۵ کروڑ روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔ اس عظیم مالی نقصان کے علاوہ اُن کی بد اخلاقیوں، ڈیوٹی سے غیر حاضری اور حادثات وغیرہ کی وجہ سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ سب سے زیادہ شراب ۴۶ تا ۵۰ سال کی عمر کے لوگ پیتے ہیں[1]

فرانس کے لوگ ہر سال شراب پر ۱۷ کروڑ پچاس لاکھ پونڈ (کئی ارب روپے) خرچ کرتے ہیں۔ وہاں کی حکومت کو شراب سے ٹیکس کے طور پر جو آمدنی ہوتی ہے اس سے دوگنی رقم حکومت شراب خواروں کے خاندانوں اور خود شرابیوں کے علاج معالجہ پر خرچ کر دیتی ہے[2] پاکستان کے پچھلے ۲۱ سالہ دور میں حکومت شراب کو قطعی حرام قرار دینے کے بجائے اس پر ٹیکس تو وصول کرتی رہی مگر شرابیوں کو شراب سے بچانے اور اُن کے خاندان والوں کی بہبود کے لیے کبھی ایک پائی خرچ نہیں کی۔

---

[1] P. 29. AWAKE weekly. dated 22nd March 1969.

[2] READERS DIGEST, Dec 1953

اس کے باوجود خادمِ عوام ہونے کے دعوے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ اسی ایک بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی گذشتہ حکومتیں عوام کی بہبود سے کیا دلچسپی رکھتی تھیں۔

رسالہ TIME کی حالیہ اشاعت میں دعوےٰ کیا گیا ہے کہ شراب اور بیئر سے کینسر بھی پیدا ہوتا ہے۔

"امریکہ میں عادی شرابیوں کا معاملہ صحت عامہ کا چوتھے نمبر پر مشکل معاملہ ہے۔ پہلا نمبر کینسر کا ہے۔ دوسرا امراضِ قلب کا اور تیسرا نمبر دماغی امراض کا آتا ہے۔ لیکن جدید تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ کینسر سے لے کر ALCOHOLISM تک مسائل سے شراب نوشی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کینسر، امراضِ قلب اور دماغی امراض سب ہی کی کثرت میں امریکہ میں شراب کا بڑا دخل ہے۔

حساب کے مطابق الکوحل ازم یعنی عادی شرابیوں کی وجہ سے امریکی صنعت کو ہر سال چار ارب سے سات ارب (یعنی ۴۴ ارب سے ۷۷ ارب روپے) تک کا خسارہ ہوتا ہے۔ یہ اقتصادی نقصان مزدوروں کی غیر حاضری، چھٹی کے اوقات میں حادثات، سست کام کرنے اور ماہرین کی کمی ہو جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نیوزی لینڈ میں الکوحل ازم کا تمام امراض میں تیسرا نمبر آتا ہے یعنی امراضِ قلب اور کینسر کے بعد[1]"

پاکیزگیٔ نفس کی دشمن مے ہے — انسان کو خراب کرنے والی شے ہے

شیطان کی ہے پرائیویٹ سکرٹری — مسلم اور اس کو منہ لگاتے ہے ہے

امریکہ میں عدالتوں کے سامنے جتنے مقدمے آتے ہیں ان میں سے ۶۵ فی صدی شراب کے نشے میں مدہوش ہونے کے ملزم ہوتے ہیں[2]۔

G. M. SCOTT اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ جو لوگ جرائم کرتے ہیں وہ معمولی نشے کی حالت میں کرتے ہیں کیونکہ زیادہ نشے کی حالت میں جرم کرنا ممکن نہیں رہتا[3]۔

---

[1] P 31 —AWAKE 22 Nov 68

[2] P. 194 —THE CRIME PROBLEM, by W. G. RECKLESS.

[3] P 195 — ibid

RECKLESS لکھتے ہیں کہ:-

"جرائم اور شراب خواری کا گہرا تعلق ہے۔ مگر اپنے تجربات اور تحقیقات کی بنا پر Dr. SCOTT نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ انگلینڈ میں ۶۰ فی صد جرائم شراب خواری کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اس کے سلسلے میں میں سنجیدگی سے شک وشبہ کا اظہار کرتا ہوں[1]"

AWAKE مورخہ جنوری ۱۹۶۹ء کے مطابق امریکہ میں موٹر کار کے حادثوں سے کم از کم ۵۰ فیصد حادثات شراب کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ AWAKE مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۶۹ء کے مطابق کاروں سے ہر سال امریکہ میں ۳۶ کروڑ سے زیادہ جانور موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ امریکن آٹو موبائیل کا بیان ہے۔

ماہرین کے اندازے کے مطابق امریکہ میں شرابی ڈرائیوروں کی وجہ سے ہر سال ۵۵ ہزار امریکن سڑکوں پر حادثات کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں[2]۔ دس ہزار روز زخمی ہوتے ہیں[3]۔
اس سلسلے میں جو دلچسپی رکھتے ہوں وہ جنوری ۱۹۷۱ء کے ریڈرز ڈائجسٹ میں مضمون بعنوان:

when drinking and driving mix

کا ضرور مطالعہ کریں۔

امریکہ میں ہر سال بارہ ہزار آدمی آگ کے حادثات میں جل کر مر جاتے ہیں[4]۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں بھی نشے کی کارفرمائی کثیر حادثات میں ہوتی ہوگی۔ یہ سب جان و مال کا ضیاع اس ام الخبائث سے ہو رہا ہے۔ AWAKE مورخہ ۸ جنوری ۱۹۶۸ء کے مطابق امریکہ میں ۱۹۶۵ء میں کاروں کے حادثات میں ۱۸ لاکھ آدمی اپاہج ہوئے اور آٹھ ارب ۹۰ کروڑ ڈالر (یعنی اٹھانوے ارب روپے) کا مالی نقصان ہوا۔

---

[1] P. 195. —THE CRIME PROBLEM by W. G. RECKLESS.

[2] P. 12.—THE PLAIN TRUTH dated 9th Jan. 1971

[3] AWAKE 22nd Oct. 1969.

[4] P. 9,—ibid Oct, 1969

PLAIN TRUTH. بابت ماہ جنوری ۱۹۷۱ء رقمطراز ہے کہ امریکہ میں ہر سال گھریلو کپڑے دھونے کی مشین سے ۱۰۰۰۰ آدمی زخمی ہوتے ہیں۔ حادثات میں دوسری سب سے خطرناک صورت گر کر مر جانے کی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں امریکہ میں ۱۹۰۰۰ آدمی گر کر مر گئے۔

مذکورہ بالا حادثات اور مغرب کے حالات جاننے والوں کے نزدیک یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ ان حادثات میں بڑی تعداد اُن لوگوں کی ہوگی جو نشہ میں اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال نہ سکے ہوں گے۔ حادثات سے اعصابی کنٹرول کا بڑا تعلق ہے جو نشہ سے کمزور پڑ جاتا ہے۔

پاکستان میں بھی ڈرائیور حضرات خاص کر ٹرکوں اور بسوں کے ڈرائیور مختلف اقسام کے نشے کرتے ہیں اس طرف حکومت نے فی الحال کوئی توجہ نہیں کی۔ اس طرف دھیان دینا بہت ضروری ہے۔

بیسویں صدی کے ڈاکٹر اور ماہرین ادویہ تو چوٹ اور زخم کے لیے بھی سپرٹ یا سپرٹ میں بنی ہوئی آیوڈین کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اب امریکہ وغیرہ میں الکوحل کی بجائے آیوڈین مقطر پانی میں حل کر کے زخموں پر استعمال کی جاتی ہے۔ فارمیسی کی مشہور کتاب REMINGTON'S Practice of PHARMACY میں یوں درج ہے:-

Aqueous solutions of iodine have the advantage of being less painful than alcoholic solutions when applied to cuts any they can be made isotonic with blood [1]

"یعنی آیوڈین کا محلول اگر پانی میں تیار کیا جائے تو وہ اس محلول سے زیادہ مفید رہتا ہے جو سپرٹ میں تیار ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک تو اس کے استعمال سے زخموں میں تکلیف کم ہوتی ہے۔ دوسرے اس کو خون کے ساتھ isotonic بنایا جا سکتا ہے۔

ڈکشنری آف کیمسٹری مصنفہ خضاب و دیگر مصنفین نے پانی میں آیوڈین کا محلول تیار کرنے کے فوائد بھی گنوائے ہیں۔ اسی وجہ سے اب امریکن فارموکوپیا میں پانی کے اس محلول کو سرکاری طور پر

---

[1] P 1130.

تسلیم کر کے رائج کر دیا گیا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ آیوڈین کا سپرٹ کی بجائے پانی میں محلول تیار کرنے سے نہ صرف مریضوں کو زیادہ فائدہ ہوگا بلکہ دوا کی قیمت بھی گھٹ جائے گی۔ کیونکہ سپرٹ پانی سے کہیں زیادہ مہنگی ہوتی ہے۔

ہمارے ملک میں یہ پرلے درجے کا احمقانہ طریقہ جاری تھا کہ عادی شرابیوں کو پرمٹ دیے جاتے تھے۔ حالانکہ جدید تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ جو لوگ شراب کے استعمال کو کنٹرول نہیں رکھ سکتے، ان لوگوں کو سب سے پہلے شراب پینے سے روکنا ضروری ہے۔ عادی شرابی کو شراب پینے کی ہرگز اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ مغرب میں عادی شرابیوں کے لیے Clinic کھلے ہیں جہاں ان سے طرح طرح کے کیمیائی اور نفسیاتی طریقوں سے شراب چھڑائی جاتی ہے۔ اُن کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دشمنی تصور میں نہیں آسکتی کہ انہیں شراب پینے کے لیے کھلے پرمٹ جاری کر دیے جائیں۔ یہ عوام دشمنی کی انتہا ہے۔ یہ کہنا کہ اُن کی صحت قائم رکھنے کے لیے شراب کا پرمٹ ضروری ہے بالکل جھوٹ بات ہے۔ بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اُن کی صحت قائم رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اُن کو زبردستی شراب پینے سے روک دیا جائے جدید ماہرین کی یہی متفقہ رائے ہے۔ تفصیلات کے لیے ALCOHOLISM مطبوعہ PELICAN یا ڈاکٹری کی دیگر متعلقہ کتابیں ملاحظہ فرمالیں۔

دماغ کے خلیوں کی بربادی اگرچہ یہ خبر اس سے پہلے پاکستان ٹائمز مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۶۳ء میں آچکی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ Rhode Clinic میں شراب کے مریض BEER بیئر پینے والوں میں سے ہیں۔ مگر خاص اس موضوع پر جولائی ۱۹۷۰ء کے شمارے میں مشہورِ عالم انگریزی رسالہ READER'S DIGEST نے ایک مضمون چھاپا جس کا عنوان تھا: ALCOHOL DAMAGES YOUR BRAIN" یعنی شراب آپ کے دماغ (کے مادہ) کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کا مصنف A. Q. MAISEL لکھتا ہے:۔

"ہر شخص جانتا ہے کہ کثرتِ شراب نوشی سے دماغ کے خلیوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اب حیران کن شہادت اس امر کی سامنے آئی ہے کہ اعتدال سے پینے والے کے دماغ کے خلیوں کو بھی ہر بار جب کہ وہ چسکی لگاتا ہے ایسا نقصان پہنچ سکتا ہے کہ اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ (یعنی بعض خلیے ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو جاتے ہیں)۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ

امریکہ میں ۸۵ ملین یعنی ۶۹ فیصد مرد اور ۶۳ فیصد عورتیں شراب پیتی ہیں ۔ ہر ۱۸ پینے والوں میں سے (یعنی ۰۰۰ ,۰۰۰ ,۴۸ امریکن شراب نوشی کی کثرت کے لحاظ سے مریض ہونے کی حد تک پہنچے ہوئے (Alcoholic) ہیں ۔ اس کے علاوہ مزید ۴۰ یا ۵۰ لاکھ افراد بلانوش ہیں۔

...... اب یہ مستحکم شہادت سامنے آئی ہے کہ اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ شراب پینے کی کم سے کم مقدار کی کوئی محفوظ حد متعین ہو سکے ۔ یعنی یہ کہا جا سکے کہ اتنی کم مقدار اگر کوئی پیئے گا تو اس کے دماغ کے خلیوں اور دیگر اعضائے رئیسہ کو نقصان نہیں پہنچے گا۔[1]"

Dr. KINSELY کی تحقیقات سے یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ شراب (جیسے کہ ایک زمانے میں دل کے مریضوں کو اس لیے دیا جاتا تھا کہ اس سے خون کی شریانیں کھل جائیں اور اس سے قلب کے پٹھوں کو nourishment مل سکے) حقیقت میں قلب کے پٹھوں کو کمزور کر کے اور پتلی شریانوں کو بند (clog) کر کے اسی طریق پر نقصان پہنچاتی ہے[2]۔

---

[1] اس سلسلے میں یاد رکھیے کہ دماغ کے خلیوں کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہے ۔ اس لیے ان میں سے اگر سینکڑوں بھی تباہ ہو جائیں تو انسان اس نقصان کو محسوس نہیں کر پاتا ، اگرچہ نقصان اپنی جگہ ہوتا رہتا ہے ۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک مریض کا ایک گردہ نکال دیا جاتا ہے مگر دوسرا گردہ کام کرتا رہتا ہے اور مریض کوئی مشکل یا دقت محسوس نہیں کرتا ۔ مگر اپنی جگہ یہ حقیقت ہوتی ہے کہ اب صرف ایک گردہ باقی ہے اور وہی کام کر رہا ہے کوئی صاحب فہم آدمی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ ایک گردہ نکل گیا تو کیا ہوا یا یہ کہ ہر آدمی ایک گردہ نکلوا دیا کرے ۔ بعض لحاظ سے گردے کا نقصان اتنا زیادہ نہیں ہے مگر دماغ کے خلیوں کا نقصان زیادہ اہم ہوتا ہے ۔ کچھ لوگ شراب سے پاگل بھی ہو جاتے ہیں اور بعض کم درجے کے دماغی یا نفسیاتی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ جگر اور دل کی بیماریاں تو خاص شراب سے پیدا ہونے والی بیماریوں میں سر فہرست ہیں ۔

[2] جملے کے اس حصے کے اصل الفاظ یہ ہیں :۔

" by the very same capillary--clogging action it involves in brain

ترجمہ :-

"جس طرح وہ دماغ کے خلیوں کی پتلی شریانوں میں رکاوٹ پیدا کر کے نقصان (Damage) پہنچاتی ہے"۔ پس اب ماہرینِ امراضِ قلب نے دل کے مریضوں کے لیے اُن کے دوران خون کو بہتر بنانے کے سلسلے میں شراب تجویز کرنا ترک کر دیا ہے۔

اس سے قبل راقم اپنے ایک کتابچے میں ڈاکٹر Dr. ROPP (جو خاص طور پر منشیات کے مشہور ماہر ہیں) کا بیان نقل کر چکا ہے جس میں انہوں نے دلائل اور حقائق سے ثابت کیا ہے کہ ٹھنڈ لگ جانے یا نمونیہ کا شکار ہونے کی صورت میں اگر شراب یا برانڈی دی جائے تو وہ مریض کے لیے فائدہ مند تو کیا ہو گی، اس کی زندگی کو مزید خطرے میں ڈال کر موت کے منہ میں پہنچا دیتی ہے۔

ایک امریکی صحافی کی "توبہ"

WILLIAM MC ILWAIN امریکہ کے مشہور صحافی ہیں مختلف اخبارات میں کام کر چکے ہیں۔ سولہ سال "Newsday" میں کام کیا ہے۔ جن میں سے آخری تین سال اس کے ایڈیٹر رہے تھے۔ یہ ایک عادی شرابی تھے۔ امریکہ اور مغربی ممالک میں ایسے سرکاری اور غیر سرکاری ادارے مختلف مقامات پر کام کر رہے ہیں جہاں عادی شرابیوں کو کچھ دن کے لیے رکھا جاتا ہے اور علاج، ماحول اور نفسیات کی مدد سے اُن سے ہمیشہ کے لیے شراب چھڑا دی جاتی ہے۔ امریکہ میں نارتھ کارولینا (North Carolina) میں تین سرکاری ادارے کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک جو Butner کے مقام پر ہے۔ انہوں نے وہاں کا رُخ کیا۔ وہاں رہنے کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے شراب کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔ اُن کا اس سلسلے میں مفصل واقعات پر مشتمل ایک مضمون The Atlantic Monthly کے شمارہ جنوری ۱۹۷۲ء میں چھپا تھا۔ ریڈرز ڈائجسٹ والوں نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تلخیص اپنے اپریل ۱۹۷۲ء کے شمارے میں شائع کی۔ اس کا عنوان ہے: A Farewell to Alcohol ہم اس کی چیدہ چیدہ باتیں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا ادارہ میں داخل ہونے سے ایک دن پہلے کے تجربے کا وہ یوں ذکر کرتے ہیں :-

"میں صبح کو پسینہ میں شرابور، کانپتا ہوا اُٹھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ پہلے زمانے میں وودکا کی بوتل کا پانچواں حصہ سونے سے قبل پینے کی بنا پر صبح کو اُٹھ کر میرا یہ حال نہ ہوا کرتا تھا۔ مگر اب ایسا ہوتا ہے کیونکہ مجھے پیتے ہوئے لمبا عرصہ گذر گیا ہے[1]۔ میں نے سوچا کہ اگر میں کچھ وودکا (Vodka) اور سپرائیٹ سوڈا ملا کر پی لوں تو یہ پسینہ اور تھرتھری کم ہو جائے گی۔ پس میں نے ایسا ہی کیا۔ مگر میں جب کار چلا کر باہر نکلا اور ہوٹل میں پہنچا تو اس وقت بھی میری حالت بگڑی تھی۔"

اب ادارہ میں داخل ہونے کے بعد کے واقعات کا ذکر یوں کرتے ہیں:-

"پروگرام کے مطابق مجھے Butner میں ۲۲ دن رہنا ہے۔ ایک بڑے کمرے میں ہم بائیس اشخاص کو رکھا گیا ہے۔ اس میں ہر قسم کے لوگ ہیں۔ ایک دادی اماں ہیں، جو vanila extract پیتی ہیں۔ ایک نوجوان ہے جو جاسوسی کہانیاں لکھتا ہے۔ ایک صاحب ایسے ہیں کہ جنہوں نے ۱۴ سال کی عمر میں شراب کی بھٹی لگائی تھی اور قریب کے لکڑی کاٹنے کے کارخانے میں کام کرنے والوں کو شراب بیچنی شروع کر دی تھی اور خود بھی پینے لگے۔

ایک اور صاحب ایک Church deacon (یعنی گرجا کے نظام سے متعلق) ہیں اور چھپ کر شراب پینے والوں میں سے ہیں۔ انہیں شراب کی بنا پر کارخانے میں ۳۶ سالہ نوکری سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اُن کے اپنے قول کے مطابق اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ رات کو بیئر پیتے[2] اور صبح کو کام میں غلطیاں کرتے تھے۔ ایک دوسرے صاحب

[1] اس سے ثابت ہوا کہ پرانے شرابی پر اس کے اثرات بڑھتے ہی جاتے ہیں۔

[2] اس عملی مثال سے ثابت ہو گیا کہ جو لوگ یہ غلط فہمی پھیلانا چاہتے ہیں کہ بیئر پینے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور جدید تحقیقات اور کیمسٹری سے نابلد ہیں۔

ہیں جو بڑبڑ کرتے ہوئے بولتے ہیں کہ سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ آنکھوں پر بار بار ہاتھ مارتے رہتے ہیں اور ان کے بدن میں رعشہ ایسا ہے کہ کافی کی پیالی منہ سے لگانے میں بھی ان کو مشکل پڑتی ہے۔ ایک تجارتی فرم کے افسر کی بیوی بھی جو تین مرتبہ خودکشی کی کوشش کر چکی ہے ہم سب لوگوں میں ایک بات مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم میں سے کسی کو بھی ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ وہ یوں پکا عادی شرابی بن جائے گا۔

ایسے مختلف طرح کے لوگوں کے لیے کونسا مشترکہ پروگرام ہو سکتا ہے؟ ہم ایک لگے بندھے پروگرام کے مطابق رہتے ہیں۔ یہاں باقاعدہ اپنے کمروں وغیرہ سے متعلق صفائی کا کام باری باری کرنا پڑتا ہے۔ لیکچر ہوتے ہیں۔ باقاعدہ کلاسیں ہوتی ہیں۔ گروپ تھیریپی (اجتماعی علاج) ہوتا ہے۔ لازمی ہفتہ وار میٹنگیں ہوتی ہیں ـــــ جن کا انتظام [1] Alcoholics Anonymus کرتی ہے۔

مگر جتنا علاج یہاں کے سٹاف کے لوگ کرتے ہیں۔ شاید اتنا ہی فائدہ ایسے لوگوں کے اکٹھا ہونے سے بھی پہنچتا ہے ـــــ اتنے عادی شرابی اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کو لوٹ کرتے ہیں اور جائزہ لیتے ہیں۔

یہاں رہتے ہوئے ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ آپ کسی ڈاکٹر سے بات کر رہے ہیں جو آپ کو یہ کہہ کر ڈراتا ہو کہ شراب کے استعمال سے آپ کا جگر خراب ہو جائے گا[2] نہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو اخلاقیات پر لیکچر دئیے جا رہے ہیں۔ بلکہ آپ تو ایسے

---

[1] اکثر مغربی ممالک میں یہ پرائیویٹ ادارہ پایا جاتا ہے ـــ اس ادارے میں وہ عورت مرد شامل ہوتے ہیں جو پہلے شرابی ہوا کرتے تھے مگر اب شراب چھوڑ چکے ہیں۔ یہ لوگ خدمتِ خلق کے طور پر اپنے تجربہ کی بنا پر ہر اس شخص کی شراب چھوڑنے کے سلسلے میں مفت مدد کرتے ہیں جو اس ام الخبائث کو چھوڑنا چاہتا ہو ٹیلیفون پر اطلاع دے دیں تو عورتوں کے لیے عورتیں اور مردوں کے لیے مرد مدد کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔

[2] یاد رہے کہ شرابیوں میں جگر کی بیماری بہت عام ہوتی ہے اور شراب جگر کو سخت نقصان پہنچاتی ہے۔

آدمی سے گفتگو کر رہے جس نے خود تجربہ کیا ہے (a man who has been …)

اور اگر وہ یہ کہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ آدمی بیئر پی جائے اور اس کے بعد تمہارے دل میں اس چیز کو شروع سے دوبارہ کرنے کی خواہش نہ پیدا ہو تمہیں اس بات پر یقین آئے گا۔

اس طرح اکٹھا رہنے کے اور بھی فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے عیبوں اور اپنی خامیوں کو سمجھنا اور اُن کا اندازہ زیادہ آسان ہو جاتا ہے جب آپ اُن کو اپنے گرد دوسرے مردوں اور عورتوں میں دیکھتے ہیں۔ پھر آپ سوچنے لگتے ہیں کہ آپ کی خامیاں بھی اسی قسم کی تو نہیں ہیں اور آخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ تو ایک ہی طرح کی خامیاں ہیں۔ آپ یہ دیکھتے ہیں کہ شرابی لوگ خود اپنے سے مذاق کرتے (Kidding) ہیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ بھی اپنی ذات سے یہی سلوک کرتے ہیں۔ پھر آپ کے گرد خوفناک کیس (horror cases) بنتے ہیں۔ آپ ہر روز صبح ان مسٹر لی لینڈ کو دیکھتے ہیں جو بڑبڑ کرتے ہیں۔ آنکھوں پر ہاتھ مارتے رہتے ہیں اور دہشت سے کانپتے رہتے ہیں۔ اُن کو دیکھ کر آپ کے دل میں خیال ہوتا ہے کہ اگر میں بھی شراب نہ چھوڑوں گا تو ایک دن میرا بھی ایسا ہی حال ہو جائے گا۔

شراب چھوڑنے کی یہ تو منفی وجوہات ہیں مگر انسان کو مثبت وجوہات بھی چاہییں اور مثبت وجوہات کا مجھ پر ہر روز انکشاف ہوتا ہے۔ جسمانی طور پر اب میں ایسا بہتر محسوس کرتا ہوں کہ پچھلے تین سالوں میں ایسا بہتر میں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔ اب میں صبح کو اس حالت میں بیدار نہیں ہوتا کہ پسینہ آ رہا ہو، جسم پر لرزہ طاری ہو۔ کبھی گرمی محسوس ہو، کبھی ٹھنڈک، یا کھانسی اور چھینکیں آ رہی ہوں نہ میں جاگتے وقت خوف زدگی کی کیفیت میں یہ سوچتا ہوں کہ نہ معلوم پچھلی رات میں نے کیا کیا تھا۔ یہ چیز شرابیوں میں عام ہے۔ اور یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مجھ سے بھی بدتر وقت گزار چکے ہیں۔ ایک

۱؎ اس بیان سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ جو حکومتیں عادی شرابیوں (alcoholics) کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کے بہانے شراب پینے کے پرمٹ دیتی ہیں اُن کے کارپرداز اور افسر حقائق سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں یا خود اپنے کردار میں جنون اور تضاد رکھتے ہیں۔ وہ حقیقت میں شرابیوں کے بھی دشمن ہوتے ہیں اور عوام کے بھی۔ اُن کو کسی سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ اور نہ وہ اہم سوشل مسائل پر کبھی سنجیدگی اور دردمندی سے غور کرتے ہیں۔ سائنس کی بیسویں صدی کی تحقیقات کے مطابق یہ سب کچھ جھوٹ اور محض دھوکہ بازی ہے۔ ایسی حکومتوں (باقی برصفحہ آئندہ)

شخص نے بتایا کہ جب وہ صبح کو اٹھتا ہے تو جلدی جلدی تمام گھر کا جائزہ لیتا ہے کہ کہیں اس نے گذشتہ رات کوئی چیز تو نہیں توڑی۔ پھر وہ اپنی کار کے گرد گھومتا اور اسے غور سے دیکھتا کہ کہیں اس نے اسے کسی چیز سے ٹکرا یا تو نہیں یا کسی اور کو ٹکر تو نہیں ماری[1]۔

پھر میں عادی شرابی کیونکر بنا؟ ۲۰ سال تک شراب پیتے رہنے کے بعد اس عادت کو ترک کرنے میں کامیاب ہونے کی کتنی امید ہے۔ اگر میں شراب چھوڑ بھی دوں تو کیا میری زندگی خوشگوار ہو گی۔

ان سوالات کا جواب معلوم کرنے میں بہت سے لوگ میری مدد کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک Dr. NORMAN A. DESROSIERS ہیں جو ہمارے ادارے Alcoholic Rehabilitation Centre کے ڈائرکٹر ہیں۔ ایک بات جو وہ کہتے ہیں وہی اس ادارے کا بنیادی فلسفہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم یہاں پر شرابیوں کا نشہ ہرن نہیں کرتے (We are not drying out drunks here) ہم ان لوگوں کا علاج کرتے ہیں جو شراب کو غم غلط کرنے کے لیے یا فکر سے نجات پانے کے آلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم جذباتی ضروریات کا علاج کریں[2]۔ ان کا یہ نظریہ ہے کہ امریکیوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کے سربراہوں اور وزیروں پر شیطان نازل ہوتے ہیں۔ اور ان کو جھوٹ اور غلط باتیں سکھاتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ فی قرآن العظیم۔ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۔ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۔ (الشعراء ۲۲۲)
یعنی میں بتاؤں تم کو کہ کس پر شیطان آتے ہیں۔ اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر۔ یاد رہے کہ عربی کی لغات مثلاً تاج العروس اور لسان العرب کے مطابق اثم بھی شراب کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ان سربراہوں اور حکام پر شیطانوں کا نزول اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ حاکم بن کر اسلام سے محبت کے دعوے کرتے ہیں مگر سرٹیفکیٹوں کی آڑ لے کر شراب کو جائز کرتے ہیں، نہ نماز قائم کرتے ہیں نہ زکوٰۃ وصول کرتے ہیں۔ اور نہ ہی قرآن و سنت کو ملک کا قانون بناتے ہیں، ہر جگہ جھوٹ ہی جھوٹ پھیلاتے ہیں۔

[1] یہ سب اقتصادی نقصانات ہیں۔ اگر ریڈیو یا ٹیلی ویژن ہی توڑ ڈالا تو کتنا اقتصادی نقصان ہوا۔ کار پر معمولی خراش بھی آ جائے تو اس کی قیمت گر جاتی ہے۔ اور اس کو ٹھیک کروانے میں بھی اچھی خاصی رقم خرچ ہو جاتی ہے۔

[2] اب تک تو آپ نے پیٹ کی بھوک اور جنسی بھوک کے الفاظ سنے ہوں گے۔ اب جذباتی بھوک کی اصطلاح پر بھی توجہ فرمایئے۔

اکثریت جو شراب پیتی ہے وہ دراصل اپنی جذباتی محسوک (emotional needs) کے علاج کی کوشش میں شراب پیتی ہے۔ شراب وہ ایک جلد میسر آنے والی (handy drug) دوا کے طور پر فکر، خوف، غم، مایوسی، ذہنی کھچاؤ، اور ناامیدی سے چھٹکارا پانے اور جھجک کو دور کرنے کے لیے استعمال کرتی ہے۔

ایک ضمنی پہلو صحافی مذکور ڈائرکٹر ادارہ کی گفتگو نقل کرتے ہوئے اُن کی چند اہم باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ "سوشل شراب نوش (Social Drinkers) کی اصطلاح بے معنیٰ ہے۔ اگر اس کے استعمال کا کوئی جواز ہے بھی تو وہ صرف اس چھوٹی سی اقلیت کے لیے استعمال کی جا سکتی ہے جو سوشل اجتماع کے موقع پر اور صرف سوشل اجتماع ہی کے موقع پر شراب کا استعمال کرتے ہیں"۔

شراب پینے کے اعداد و شمار مختلف ہو سکتے ہیں مگر اندازاً امریکہ کے ۱۲۰ ملین بالغ شراب پیتے ہیں۔ اور ان میں سے ۱۵ ملین (ڈیڑھ کروڑ) مریضانہ حد تک بلا نوش (alcoholic) ہیں یہ لوگ شراب کی عادت کو ایک مشکل مسئلہ بنانے والے ہیں۔ اس حساب سے ۱۰۵ ملین وہ لوگ ہوئے جو سوشل طور پر شراب پینے والے بنتے ہیں۔ یہ وہ تعداد ہے جس کو Dr. DESROSIERS تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بات بہت زیادہ اغلب ہے کہ جن کو ہم سوشل طور پر پینے والے سمجھ رہے ہیں۔ اور جو ابھی تک اس حد میں نہیں داخل ہوئے کہ اُن کو alcoholic یا (بڑے اور پکے شرابی) کہا جائے۔ اُن میں سے اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو حقیقی طور پر سوشل پینے والے نہیں بلکہ وہ اپنی جذباتی مشکلات کا علاج کرنے کے لیے پیتے ہیں۔ اسی کثیر تعداد سے اصل اور بڑے شرابی پیدا ہوتے ہیں جو کہ اپنی زندگیوں کو کیمیاوی طریقوں سے قابو میں لانے کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں۔

(باقی)

لے مغربی دنیا میں اگر Tranquilizer دریافت نہ ہوتے تو یورپ کی آبادی اس سے کہیں زیادہ کثیر تعداد میں شراب سے برباد ہو کر ہلاک ہوتی جتنی کہ اب ہو رہی ہے۔

رسائل و مسائل

حضرت علیؓ کی زرہ کا سرقہ

ملک غلام علی صاحب

سوال :۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں عدل و انصاف اور قانون کی بالادستی کے بارے میں عام طور پر یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک یہودی پر اپنی زرہ کی چوری کا دعویٰ کیا اور اپنے بیٹے اور غلام کو گواہی کے لیے پیش کیا۔ قاضی صاحب نے یہ کہہ کر ان کی گواہی مسترد کر دی کہ از روئے قانونِ شہادت بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں اور غلام کی گواہی آقا کے حق میں قبول نہیں کی جا سکتی۔

۱۔ پہلے نمبر پر یہ بات دریافت طلب ہے کہ اس واقعہ کی صحیح تفصیل کیا ہے؟

۲۔ اگر یہ واقعہ اسی طرح ہے تو کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر فقیہ نہیں تھا کہ بیٹے اور غلام کو بطور گواہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔

براہ کرم اس واقعہ کی تفصیلات اور اس پر وارد اعتراضات کے بارے میں جو۔ سے مطلع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

جواب :۔ میں نے بھی حضرت علیؓ کا یہ واقعہ سنا اور غالباً کہیں پڑھا بھی ہے کہ انہوں نے قاضی شریح کی عدالت میں اپنی زرہ کی چوری کا دعویٰ دائر کیا تھا اور اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ اور غلام قنبر کو بطور گواہ پیش کیا تھا۔ لیکن اس وقت تلاش کے باوجود یہ واقعہ اس تفصیل کے ساتھ مجھے کسی قابلِ اعتماد کتاب میں نہیں مل سکا۔ امام بیہقی نے سنن کبریٰ جلد

کتاب آداب القاضی ۱۳۶/۲ پر اسے سند کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:

" امام شعبی سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت علیؓ بازار میں نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عیسائی ایک زرہ بیچ رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس زرہ کو پہچان لیا اور فرمایا: یہ زرہ تو میری ہے۔ تمہارے اور میرے درمیان مسلمانوں کے قاضی فیصلہ کریں گے۔ قاضی جو مقرر ہوئے تھے وہ شریح تھے۔ شریح سے امیرالمومنین نے فرمایا۔ اس کے اور میرے مابین فیصلہ کیجیے۔ شریح نے پوچھا: امیرالمومنین آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت علیؓ کہنے لگے کہ یہ میری زرہ ہے جو ایک مدت سے مجھ سے غائب ہے۔ تب شریح نے فرمایا: اے نصرانی، تم کیا کہتے ہو؟ وہ کہنے لگا: امیرالمومنین نے کیسا جھوٹ بولا، یہ زرہ تو میری ہے۔ اس پر شریح کہنے لگے۔ یہ زرہ اس شخص کے قبضے میں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ثبوت کے بغیر اس سے لی جا سکتی ہے۔ کیا آپ کے پاس کوئی ثبوت یا شہادت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا شریح سچ کہتے ہیں۔ یہ سن کر عیسائی بول اٹھا: کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے احکام و تعلیمات ہیں۔ امیرالمومنین اپنا دعویٰ اپنے جج کے سامنے پیش کرتا ہے اور ان کا جج ان کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔ خدا کی قسم! اے امیرالمومنین یہ آپ ہی کی زرہ ہے۔ میں لشکر میں اسے آپ کے ہاتھ بیچا تھا اور پھر یہ آپ کے خاکی اونٹ پر سے سرک کر الگ ہو گئی اور میں نے اسے لے لیا۔ میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا جب تم اسلام لے آئے تو اب یہ زرہ تمہاری ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے اسے ایک عمدہ گھوڑے پر سوار کر کے رخصت کیا۔

امام شعبی کہتے ہیں کہ میں نے اس نومسلم کو مشرکین کے خلاف جہاد کرتے ہوئے دیکھا۔"

دوسری سند کے ساتھ امام شعبیؒ نے یوں بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کے علاوہ اس کا دو ہزار درہم مشاہرہ بھی مقرر کر دیا۔ آخرکار وہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہوا۔"

نیل الاوطار اور بعض دوسری کتابوں میں بھی یہ قصہ سنن بیہقی کے حوالے سے اسی طرح بیان ہوا ہے۔

اگر اس واقعہ کی تفصیل بس اتنی ہی ہو جو آپ بیان ہوئی تو اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو سوال میں مذکور ہے۔ تاہم بالفرض اگر حضرت علیؓ کی طرف سے اُن کے صاحبزادے اور خادم نے شہادت دے دی ہو تو یہ کوئی ایسا ممنوع یا حرام فعل نہیں ہے جس پر ان قابلِ باپ بیٹوں کو مطعون کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ایمان افروز واقعہ کا یہ پہلو چنداں اہمیت نہیں رکھتا کہ حضرت علیؓ کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے حق میں شہادت کیا تھی یا نہیں تھی، بلکہ اس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ امیرالمومنین جس کے صادق القول ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا، اس نے بھی اپنی حق رسی کے لیے عدالت سے رجوع کیا اور عدالت نے اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ ایک طرف صحابیٔ رسول اور خلیفہ راشد ہے اور دوسری طرف ایک غیر مسلم ذمی ہے، فیصلہ وہ دیا جو بے لاگ انصاف پر مبنی اور ہر شک و شبہ سے بالاتر تھا۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ بعض احادیث میں یہ ارشاد نبویؐ مذکور ہے کہ قریبی عزیز یا گھر والوں کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں جائز نہیں۔ مگر اوّلاً اس بات کا امکان موجود ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کو یہ ارشاد معلوم نہ ہو۔ ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ بعض صحابہ کرام بلکہ خود خلفائے راشدینؓ کو بعض ارشاداتِ رسول کا علم نہیں ہوتا تھا اور منادی ہوتی تھی کہ فلاں مسئلے میں جن صاحب کو آنحضورؐ کے کسی قول و فعل کا علم ہو وہ آکر بتائے۔ صحابہ کرام بھول بھی سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا واقعہ نہایت مشہور ہے کہ انہیں تیمم کے متعلق ایک ارشاد نبوی یاد نہ رہا اور حضرت عمارؓ کو یاد رہا حالانکہ دونوں کے سامنے مشترک واقعے کے متعلق آنحضورؐ نے اسے بیان فرمایا تھا۔

پھر جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اگر مدعی کے پاس کوئی گواہ بجز اہل خانہ کے نہ ہو یا سرے سے کوئی شہادت نہ ہو مگر وہ اپنے علم و یقین کی بنا پر اپنا دعویٰ مبنی برحقیقت سمجھتا ہو تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ اپنا دعویٰ قاضی کے سامنے جوں کا توں رکھ دے۔ اگر وہ غلط بیانی نہیں کرتا اور شہادتِ زُور پیش نہیں کرتا تو اس کا فعل عند اللہ قابلِ مواخذہ نہیں۔ البتہ اس کے دعوے اور شہادت کے قابل قبول ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ قاضی کرے گا۔ اگر قاضی دعوے کو ناقابلِ اثبات یا شہادت کو ناکافی سمجھتا ہے تب بھی اس کا کام یہ ہے کہ وہ دوسرے فریق کا بیان لے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اقرار جرم کر لے۔ البتہ اگر وہ انکار کر دے اور اس کے خلاف کوئی شہادت موجود یا مسموع نہ ہو، تو قاضی اس سے قسم یا حلف لے گا۔ اس کے بغیر وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ارشاد بھی حدیث ہی میں وارد ہوا ہے کہ:

البیّنة علی المدعی والیمین علی من انکر۔ ثبوت مدعی کے ذمے ہے اور دوسرا فریق انکار کرے تو اس پر قسم لازم ہے۔

اس حدیث سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ بعض صورتیں ایسی ہوسکتی ہیں کہ مدعی کے پاس شہادت نہ ہو یا عدالت کے نزدیک وہ پایۂ ثبوت تک نہ پہنچتی ہو لیکن مدعی کا دعویٰ یا گواہی فی الحقیقت سچائی پر مبنی ہو تو اس کا عدالت سے رجوع کرنا یا جو شہادت بھی میسر ہو اُسے بلاکم وکاست پیش کر دینا قابلِ اعتراض نہیں اور مدعا علیہ کے قسم کھانے کا سوال اُسی صورت میں پیدا ہوتا ہے، ورنہ مدعی کی طرف سے مطلوب شہادت پیش کر دینے کے بعد فیصلے کا مدار اسی شہادت پر ہوگا۔ اگر شہادت کافی اور قابلِ قبول ہوگی تو ملزم کے لیے قسم کا کوئی موقع نہ ہوگا جس سے وہ بری الذمہ ہوسکے۔ حضرت علیؓ کے پاس کوئی شہادت تھی یا نہ تھی اور تھی تو وہ کسی حد تک قابلِ قبول تھی، اس کے بجائے قابلِ دید اور لائقِ تقلید امر یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے ایک غیر مسلم محکوم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی مگر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اپنے خلاف فیصلے کو شرحِ صدر اور خندہ پیشانی سے قبول فرمایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر انہوں نے اپنے فرزندِ ارجمند یا ملازم کو بھی بطورِ گواہ پیش کیا اور عدالت نے اس گواہی کو تسلیم نہ کیا تو یہ بھی اسلامی عدل و انصاف کی ایک درخشاں مثال ہے۔ اور ایک عیسائی نے شاید عدالت میں یہ اعتراض نہیں اُٹھایا ہوگا کہ امیر المومنین اپنے گھر کے افراد کو کیوں بطورِ گواہ پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ مجرد یہ امر کہ خلیفۂ وقت عدالت میں مدعی بن کر آیا ہے لیکن عدالت نے اُس کے خلاف ایک ذمی کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے جسے اس نے بلاچون وچرا مان لیا ہے۔ اس نے غیر مسلم پہ اتنا زبردست اخلاقی اثر ڈالا کہ وہ نہ صرف دائرۂ اسلام میں داخل ہوا بلکہ آخر وقت تک حضرت علیؓ سے وفاداری وجاں نثاری پر قائم رہا۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ ایک غیر مسلم تو اس روشن پہلو کو سامنے رکھے اور ہم مسلمان اس واقعہ میں اشکال و اعتراض ہی کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

اب تک کی بحث اس واقعہ کی صحیح نوعیت و تفصیل سمجھنے کے لیے کافی ہے اور اسلامی قانونِ شہادت میں اکثریتِ اُمت نے یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ قریبی رشتہ داروں اور متعلقین و لواحقین کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قابلِ سماعت نہیں۔ اب اس پر تقریباً اجماع ہے اور اسے قبولِ عام حاصل ہوچکا ہے اس لیے میں اسی مسلک کو صحیح اور قابلِ ترجیح سمجھتا ہوں لیکن جو روایت اس بارے میں وارد

ہے۔ اس کی سند ضعف سے خالی نہیں۔ سُنن ترمذی، کتاب الشہادات ماجاء فیمن لایجوز شہادتہ کے تحت امام ترمذی جو حدیث لائے ہیں، اس پر وہ خود فرماتے ہیں:

"یہ حدیث غریب ہے جسے ہم یزید بن زیاد دمشقی ہی کے واسطے سے جانتے ہیں۔ اور یہ راوی ضعیف ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث عبداللہؓ بن عمرو سے بھی مروی ہے لیکن اس کا مضمون بھی نا قابلِ فہم ہے اور میرے نزدیک اس کی سند صحیح نہیں۔ (لا نعرف معنی ھٰذا الحدیث ولا یصح عندی من قبل اسنادہ) اور اہلِ علم کا عمل یہ بھی ہے کہ عام رشتہ داروں کی شہادت جائز ہے۔ والدین اور اولاد کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں اکثر اہلِ علم کے نزدیک جائز نہیں، لیکن بعض اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ اگر گواہ عادل ہو تو پھر اس کی شہادت باپ اور بیٹے کے حق میں بھی جائز ہے۔ بھائی کی شہادت بھائی کے حق میں بلا اختلاف جائز ہے اور یہی اصول دوسرے رشتہ داروں کے بارے میں ہے۔"

امام ترمذی نے اپنی روایت کردہ حدیث پر جس تشریح کا اضافہ فرمایا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر قریب ترین عزیز بھی عادل و راست باز ہو اور وہ سچی گواہی اپنے رشتہ دار کے حق میں دے تو یہ کوئی جرم یا معصیت کا فعل نہیں ہے۔ البتہ بربنائے احتیاط اور شک و شبہ کے انسداد کی خاطر اس سے اجتناب کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور مدعا علیہ اس گواہی پر معترض ہو تو اس کا اعتراض تسلیم کیا جائے گا۔

امام بیہقی جن کی مفصل روایت شروع میں نقل ہو چکی، انہوں نے آگے چل کر کتاب الشہادات من لا تقبل شہادتہ میں دوسری روایت دی ہے جو ترمذی والی روایت سے ملتی جلتی ہے مگر اس کے ساتھ فرماتے ہیں لا یصح فی ھٰذا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیٔ یعتمد علیہ (اس مسئلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے)۔ اس قول سے بھی یہی ثابت ہوا کہ زیر بحث معاملے میں جو روایت بھی مذکور ہے اس کی سند تو زیادہ قوی نہیں، البتہ جمہور ائمہ مجتہدین کی تلقی بالقبول نے اسے قابلِ تمسک اور معمول بہ بنا دیا ہے۔

(بقیہ اشارات)

۱۔ ایسی بڑی کانفرنسیں اور مقامی اجتماعات جن میں امتِ محمدیہ کے اتحاد کی تلقین کی جائے اور بتایا جائے کہ خدا نے حضورؐ کو اپنے اس احسانِ خاص کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مسلمانوں کے لیے اسلام ذریعۂ وحدت و اخوت بنا۔ نیز واضح کیا جائے کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا، ان کے افتراقات کو ختم کرنا اور اتحاد کو ہر رخنہ اندازی سے بچانا دراصل رسول اللہؐ کی تفویض کردہ میراثِ وحدت کی پاسبانی ہے۔ واضح کیا جائے کہ خدا کے رسولؐ نے مسلم کہلانے والوں کی ایک جان امت چھوڑی ہے، فرقے بنا کر نہیں دیے۔ تفرقہ تو حضورؐ کی تعلیم و سنت کا ترک ہے۔

۲۔ عوام پر یہ واضح کیا جائے کہ آج تک تاریخ میں مسلمانوں نے جو معرکے بھی کامیابی سے لڑے ہیں وہ اتحاد کی قوت کے بل پر لڑے ہیں، اور جہاں کہیں ان کی صفوں کا اتحاد ٹوٹا، وہیں ناکامی پیش آئی۔ خود برصغیر میں تحریک پاکستان کسی ایک فرقے کے چلانے سے نہیں چلی۔ پاکستان نہ کسی ایک فرقے نے بنایا ہے اور نہ کسی ایک فرقے کی اس پر اجارہ داری ہے۔ قرار داد مقاصد کسی ایک فرقے کے زور سے پاس نہیں ہوئی۔ جہاد ستمبر ۱۹۶۵ء کسی ایک فرقے کے سپاہیوں نے نہیں لڑا۔ قادیانیوں کا غیر مسلم اقلیت قرار دینا کسی ایک فرقے کا مرہون منت نہیں ہے۔ تحریک ۱۹۷۷ء کسی ایک فرقے کی برپا کردہ نہ تھی اور نہ کسی ایک فرقے نے قربانیاں دی ہیں۔ یہ جتنے واقعات ہوئے ہیں سب کے سب مسلمانوں کے وسیع اتحاد کی برکت سے ہوئے ہیں۔ یہ اتحاد اگر نہیں ہوگا تو ہر کام خراب ہو کے رہے گا۔

۳۔ یہ حقیقت بھی نمایاں کی جائے کہ جہاں ہمارے اندر نظام اسلامی کے قیام میں مختلف قوتیں مزاحمتیں کر رہی ہیں اور معاشی و اخلاقی احوال کو بد سے بدتر بنا رہی ہیں، وہاں ہمارے گرد و پیش کا ماحول بے حد خراب ہے۔ تیسری طرف اسلام، اسلامی انقلاب کی تحریکوں اور خود پاکستان کے خلاف بہت بڑی عالمی سازش کام کر رہی ہے جس میں سفید و سرخ سامراج ہم آہنگ ہو گئے ہیں اور جس میں یہود و ہنود دوش بدوش ہیں اور جس میں صلیب پرستوں کا بھی پورا پورا حصہ ہے یعنی ہم سے بڑی بڑی مخالف قوتیں تو یہ احساس کر کے متحد ہو گئی ہیں کہ انقلابی اسلام کا خطرہ سر پر آ گیا ہے۔

ان خطرناک حالات سے عہدہ برآ ہونا اتحاد کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ آزمائش جو ہمارے اتحاد کے باوجود بڑی مشکل نوعیت کی ہے، ہم اس کے سامنے بچوں کی طرح اگر بات بات پر لڑنے لگے۔ ایک دوسرے سے نفرت کا اظہار کیا، لوگوں کو اشتعال دلا کر تصادم پیدا کیے تو ممکن ہے کہ وقتی طور پر آنے والے انتخابات میں کسی گروہ کو

اپنی جگہ دو چار سیٹیں زیادہ مل جائیں، مگر اندر اور باہر سے جب لادینیت اور اسلام دشمنی اپنا کام شروع کرے گی تو ہمارے کامیاب ہونے والے تفرقہ باز بھی بُری طرح ناکام رہیں گے۔ جیت معمولی سی ہوگی اور ہار بہت دردناک ہوگی۔

جو مذہبی لوگ ملکی اور بین الاقوامی لحاظ سے سنگین پیچیدگیٔ احوال کے باوجود تفرقہ انگیزی کی انتہائی مہلک حکمت عملی اختیار کر رہے ہیں وہ یا تو بے حد سادہ لوح اللہ لوک ہیں، یا پھر ان کو مخالف اسلام سازشی قوتوں نے آلۂ کار بنا لیا ہے۔ براہ راست نہ سہی، بالواسطہ سہی۔

ان عالمی قوتوں کے صیادانہ منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے ان کے کارندے یہاں پہلے سے موجود ہیں۔ سرمایہ دار طبقے میں بھی اور کمیونسٹوں میں بھی۔ یہ کارندے بڑی چابکدستی سے کسی بزرگ اور اس کے حواریوں کو مسکہ لگاتے ہیں کہ جناب والا! آپ کی تو بڑی قوت ہے اور سارا دارومدار آپ ہی پر ہے آپ خود آگے بڑھ کر اپنا راستہ بنائیے اور قومی اتحاد یا جماعت اسلامی کو اپنے کندھوں پر پاؤں رکھ کر آگے نہ بڑھنے دیجئے۔ قومی اتحاد نے تو آپ کو محض اس لئے ساتھ لیا تھا کہ آپ کی طاقت کو اپنے کھاتے میں ڈال کر اس سے کمائی کرے۔ اور جماعت اسلامی تو اسلام اور پاکستان کے لئے خود ہی بڑی خطرناک چیز ہے، خدا کے لئے پاکستان کو اس کے چنگل میں پڑنے سے بچائیں۔

یہ ہے تکنیک جسے کسی بھی حقائق ناآشنا بڑے سے بڑے تفرقہ باز مولوی کو (جس کی نگاہ اس منشوری وجود سے آگے نہیں جاتی جس کا نچلا گھیرا ان کے مریدوں پر مشتمل ہے اور جس کی چوٹی ان کی ذات ہے) صاف دکھائی دینے والے مخالفِ اسلام عناصر چرخ پر چڑھا دیتے ہیں۔

۴۔ یہ حقیقت نمایاں کر کے سمجھائی جائے کہ چاڈ کے مسلمان ہوں یا ارٹریا کے، فلپائن کے ہوں یا قبرص کے کشمیر کے ہوں فلسطین کے ۔۔۔ اور حالیہ حادثات کی روشنی میں جمشید پور کے ہوں یا علیگڑھ کے، دشمنِ اسلام قوتوں نے کسی بھی جگہ اس بنا پر حملہ نہیں کیا کہ تم بریلوی اور اصلی اہلسنت ہو اور کسی بھی جگہ اس بنا پر کلمہ گوؤں کو نہیں بخشا کہ تم دیوبندی ہو یا وہابی۔ ان کا حملہ تو ہر اس شخص کے خلاف ہے جو "مسلم" ہے۔ خواہ وہ فقہی مسائل اور شعائر و مناسک میں کسی بھی مکتب فکر سے وابستہ ہو۔ بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) میں تباہی آئی تو وہاں یہ سوال نہ تھا کہ تم نورانی میاں کو مانتے ہو یا مولانا روپڑی کو۔ اس طرح آج افغانستان میں جو مسلمان مصیبت کے گرداب میں مبتلا ہیں ان کے خلاف توپوں کے دہانے اس دلیل سے نہیں کھولے گئے کہ

تم سید احمد بریلوی شہید کے محب ہو یا احمد رضا خاں بریلوی کے عقیدت مند۔ جب حملہ مسلمان پر مسلمان ہونے کے لحاظ سے ہو اور ہر فرقے کے مسلمان شکار ہو رہے ہیں تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کسی ایک فرقے کا محاذ بنانا اپنی شکست کا سامان پیدا کرنا ہے۔ محاذ پورے مسلمانوں کا متحدہ ہونا چاہیئے۔

پھر یہ کہ کسی قلعے پر اگر باہر سے چو طرفہ گولہ باری ہو رہی ہے تو دشمن سے ملا ہوا کوئی غدار ہی ایسا کر سکتا ہے کہ وہ قلعے کے اندر کی قوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو آپس میں لڑانے کا اہتمام کرے۔

۵۔ ایسے عناصر کے ۱۹۴۷ء کے رویتے اور اب ۱۹۷۹ء کے رویتے کے تضادات کو اچھی طرح نمایاں کیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یا اس وقت یہ لوگ برسر باطل تھے، اور یا اب جھوٹ بولتے ہیں۔

۶۔ یہ حضرات تحریک پاکستان کا سرخیل (CHAMPION) ہونے کا جو ڈھول گلے میں ڈال کر بجا رہے ہیں اس کا پول کھولنے کے لئے ان کے ماضی کے فرمودات اور نگارشات کا کچا چٹھا زور شور سے لوگوں کے سامنے لایا جائے۔ جیسے حال ہی میں جسارت کراچی میں کچھ مواد چھپا ہے جس نے حضرت کے بہت سے مریدوں اور غیر مریدوں کو پریشان کر دیا ہے۔

یہ دو محاذ اگر محنت سے سر کر لئے جائیں اور مخالف قوتوں کا زور توڑنے میں کوئی کسر نہ رہنے دی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ حالات کی رو پر قابو نہ پایا جائے۔

اس وقت جبکہ دنیا بھر میں اسلامی تحریکات پیشقدمی کر رہی ہیں مغربی فلسفوں کی جو مرعوبیت مسلمانوں پر طاری ہوئی تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔ ایران میں اسلام کے حق میں بھرپور انقلابی عمل واقع ہو چکا ہے پاکستان میں یہ عمل جاری ہے جہاں مخالف اسلام قوتیں بھنا کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب اور کینے کا اظہار کر رہی ہیں وہاں اس امر کا موقع بھی واضح طور پر سامنے ہے کہ خدا کے بندے مجاہدانہ جذبے سے مخالفتوں کے طوفانوں سے گزر کر ساحلِ مراد پر جھنڈے گاڑ دیں۔ آپ پیشقدمی کریں تو آپ کو قرآن کی یہ ہمت افزا پکار سنائی دے گی۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔

ہمارے لیے اس صورت حالات میں سبق ہے جس کے بارے میں یہ کہہ کر مسلمانوں کو ڈرایا گیا تھا کہ ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم (لوگ تمہارے خلاف اکٹھے ہو گئے ہیں پس ان سے ڈرو) مگر مسلمانوں کا جواب یہ تھا کہ ہمارے لیے رب کے مقابلے میں اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے (آل عمران ۱۷۳) اور دوسرے موقعے پر اُن کا جواب تھا کہ ان حالات کا تو اللہ نے پہلے سے وعدہ کر رکھا ہے اور سچ کہا اللہ نے اور سچ کہا اس کے رسولؐ نے! (الاحزاب ۲۲) اور اُن کے ایمان و اسلام میں مزید اضافہ ہوا!

SCAN

خوشخبری

ادارہ ہذا نے عوام کی بھرپور مانگ اور اسلامی لٹریچر کو عام آدمی تک پہنچانے کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ کی شہرۂ آفاق تصنیف "سیرت سرورِ عالم" کے دوسرے ایڈیشن کی قیمت میں حیرت انگیز کمی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب "سیرت سرورِ عالم" قسم دوم کی دونوں جلدوں کی قیمت علاوہ ڈاک ۸۰/- روپے ہوگی۔ عام خریداروں کو اس پر ۲۰ فیصد رعایت بھی دی جائے گی۔ چنانچہ ادارہ ہذا سے ۶۴/- روپے میں مکمل سیٹ (جلد اول و دوم) دوسرا ایڈیشن تقریباً دو ماہ تک دستیاب ہوگا۔ بذریعہ ڈاک قیمت ۶۸/- روپے ہوگی۔ پیشگی بکنگ کی جارہی ہے۔ جس ترتیب سے پیشگی رقوم وصول ہونگی اسی ترتیب سے ترسیل ہوگی —— لہٰذا تمام خریدار حضرات جلد از جلد پیشگی رقوم بھجوا کر مشکور فرمائیں۔ خریدار حضرات اپنا پتہ مکمل اور صاف لکھیں۔

منجانب :-

ناظم ادارہ ترجمان القرآن

اچھرہ لاہور